دِلکش اردو

برائے جماعتِ پنجم

ଦିଲ୍‌କଶ୍ ଉର୍ଦ୍ଦୁ

ପଞ୍ଚମ ଶ୍ରେଣୀ

اڈیشا اسکول تعلیمی پروگرام اتھاریٹی،
بھوبنیشور

محکمۂ تعلیم اساتذہ اور صوبائی تحقیقی و تربیتی ادارہ برائے تعلیم،
اڈیشا، بھوبنیشور

دِلکش اردو

برائے جماعتِ پنجم
(تجرباتی ایڈیشن)

مجلسِ اِدارت

۱۔ پروفیسر کرامت علی کرامتؔ

۲۔ سید منظور احمد قاسمی

۳۔ ڈاکٹر شیخ مبین اللہ

۴۔ محمد مطیع اللہ نازشؔ

۵۔ سید فضلِ رسول

نظر ثانی کنندگان:

۱۔ سید عطا محی الدین

۲۔ محمد سلیم الدین

۳۔ میر مسعود علی قاسمی

کوآرڈی نیٹر : ڈاکٹر تلوتّما سیناپتی

ڈاکٹر سبیتا ساہو

ناشر : محکمۂ اسکول و تعلیمِ عامّہ، اڈیشا سرکار

سن اشاعت : 2010

2019

ترتیب : محکمۂ تعلیمِ اساتذہ اور صوبائی تحقیقی و تربیتی ادارہ برائے تعلیم، اڈیشا، بھوبنیشور

اور

ادارۂ نشرو اشاعت برائے کتبِ تعلیم وتدریس صوبۂ اڈیشا، بھوبنیشور

مکتبہ : درسی کتاب چھپائی و فروخت، بھوبنیشور

فہرست

۱۔ مناجات.....چشمِ رحمت	سعیدؔ رحمانی
۲۔شیطان کا سکون	محبوب محشرؔ
۳۔اردو زبان	اولادِ رسول قدسیؔ
۴۔ ایک پہاڑ اور گلہری	علامہ محمد اقبالؔ
۵۔حُبِّ وطن	حالیؔ
۶۔صبح کا ترانہ	اسماعیلؔ میرٹھی
۷۔اڈیشا کے جنگلات	ڈاکٹر شیخ مبین اللہ
۸۔فخرِ اڈیشا مدھوسودن داس	محمد مطیع اللہ نازشؔ
۹۔ڈاکٹر امبیدکر	سید فضلِ رسول
۱۰۔رسول اللہؐ کا جانوروں سے رحم و کرم کا معاملہ	سید منظور احمد قاسمی
۱۱۔گرم ہوا کی لہر	سیدہ تمنہ اختر
۱۲۔دوراندیشی	مناظر عاشق ہرگانوی
۱۳۔احسان کا بدلہ	میر مسعود علی قاسمی
۱۴۔علم کی اہمیت	مطلوبہ نشاط
۱۵۔اُتکل دِوس	محمد مطیع اللہ نازشؔ
۱۶۔حضرت رابعہ بصری	سید عطا محی الدین

حصّہ نظم

چشمِ رحمت

سعیدؔ رحمانی

الٰہی التجا میری اگر منظور ہو جائے
مدینے کی زیارت سے نظر پر نور ہو جائے

ذرا سی چشم رحمت ہو اگر شاہِ دو عالم کی
بلا سر سے ٹلے، ہر اک مصیبت دور ہو جائے

بلاوا مجھ کو آجائے کسی دن گر مدینے سے
خوشی کی روشنی سے زندگی معمور ہو جائے

کسی دن دیکھ لوں میں ان کے روضے کی تجلی کو
مرا دل بھی اچانک جلوہ گاہِ طور ہو جائے

سرِ محشر خدا بھی اپنی رحمت سے نوازے گا
درودوں کا وظیفہ زیست کا دستور ہو جائے

سعیدؔ آ جائے صنفِ نعت گوئی کا ہنر مجھ کو
مرا ایماں ہے میری شاعری مشہور ہو جائے

☆☆☆

پڑھیے اور سمجھیے:

التجا	:	گزارش، درخواست کرنا	زیارت	:	ملاقات
چشم	:	آنکھ	شاہ	:	بادشاہ
معمور	:	آباد	زیست	:	زندگی
محشر	:	میدانِ حشر۔ قیامت	صنف	:	قسم
جلوہ گاہ	:	وہ جگہ جہاں جلوہ دکھایا یا دیکھا جائے۔ تماشا گاہ			

سوچیئے اور بتائیے:

۱۔ شاعر اللہ سے کیا التجا کرتا ہے؟

۲۔ ''ذرا سی چشمِ رحمت ہو اگر شاہ دو عالم کی ''۔

اس مصرعہ میں ''شاہِ دو عالم'' کس کے لئے استعمال ہوا ہے؟

۳۔ جو نظم حضورِ پاک کی تعریف میں لکھی جائے اسے کیا کہتے ہیں؟

نیچے الفاظ میں صحیح پر (✔) کا نشان لگائیے:

☆ نعت ☆ حمد ☆ منقبت

۴۔ محشر کے روز حاکم کون ہوگا؟

جانیئے اور بتائیے:

نور۔ دور ایک سی آواز پر ختم ہوتے ہیں۔

معمور۔ طور ایک سی آواز پر ختم ہوتے ہیں۔

اس طرح ایک سی آواز پر ختم ہونے والے الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔

بتائیے اس نظم میں اور کون سے قافیئے استعمال ہوئے ہیں۔

شیطان کا سکون

محبوب محشرؔ

لیٹا ہوا تھا راہ میں اک مردِ نوجوان
چہرے پہ دلکشی تھی ، نگاہیں تھیں شادماں

گزرے اچانک اس طرف اک صاحبِ کمال
ٹھوکر لگی جو پاؤں کی کرنے لگے ملال

پوچھا کہ نوجوان بتا کیا ہے ’’تیرا نام؟‘‘
اس جا پہ کیوں پڑا ہے بتا کیا ہے تیرا کام؟

انگڑائی لے کے اس نے کہا بندۂ خدا!
شیطان میرا نام ہے تجھکو بتاؤں کیا؟

اس دور میں ملا ہے مجھے چین اور سکون
کرتے ہیں لوگ کام میرا نیک ہے شگون

پڑھیے اور سمجھیے:

راہ	: راستہ	دلکشی	: دل کو کھینچنے والا
شادمان	: خوش	صاحبِ کمال	: ہنر والا
شگون	: نیک انجام	ملال	: رنج و غم

سوچیئے اور بتائیے:

۱۔ نوجوان راستہ میں کیا کر رہا تھا؟

۲۔ بزرگ نے کیوں ملال ظاہر کیا؟

۳۔ شیطان کیوں خوش تھا؟

خالی جگہوں کو دیے ہوئے لفظوں سے پر کیجیے:

لیٹا ہوا تھا راہ میں اک .... نوجوان۔ (مرد، سرد)

پوچھا کہ نوجوان بتا کیا ہے تیرا ....۔ (نام، کام)

اس دور میں ملا ہے مجھے چین اور ....۔ (سکون، شگون)

اردو زبان

سید اولادِ رسول قدسیؔ

ہم کو بہت ہے پیاری اردو زباں ہماری
ہم اس کے یہ ہماری اردو زباں ہماری

سب نے یہ بات مانی ہے شہد سے بھی میٹھی
تلخی سے یوں ہے عاری اردو زباں ہماری

محبوب ہے یہ ایسی ہر قلب میں ہے بیٹھی
سارے جہاں میں جاری اردو زباں ہماری

دنیا ہو محوِ حیرت ایسی کریں اشاعت
ہو جائے سب پہ بھاری اردو زباں ہماری

ہر گھر ہو اس سے روشن ہر دل ہو اس کا مسکن
ایسا ہو فضلِ باری اردو زباں ہماری

اس کو نہ سمجھو تنہا لشکر ہیں اس کے معنی
رفعت کی ہے سواری اردو زباں ہماری

اقبالؔ و میرؔ، غالبؔ قدسیؔ! تھے اس کے طالب
ہے کس قدر یہ پیاری اردو زباں ہماری

☆☆☆

پڑھیے اور سمجھیے:

تلخی	:	کڑواپن	محبوب	:	پیارا
قلب	:	دل	مسکن	:	رہنے کی جگہ
اشاعت	:	شائع کرنا۔طبع	فضل	:	مہربانی
تنہا	:	اکیلا	رفعت	:	بلندی
محو	:	ڈوب جانا۔کسی چیز میں کھو جانا			
طالب	:	تلاش کرنے والا			

سوچیے اور بتائیے:

۱۔اردو زبان ہم کو کیوں پیاری ہے؟
۲۔اردو کا معنی کیا ہے؟
۳۔اردو کے تین مشہور شاعروں کے نام لکھیے۔

جملوں میں استعمال کیجیے:

میٹھی : جاری : اشاعت: روشن :
رفعت :

ہدایت: استاد اس نظم کو زبانی یاد کرائیں۔

پہاڑ اور گلہری

علاّمہ محمد اقبالؔ

B1PLM9

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا گلہری سے
"تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور! کیا کہنا!
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور، کیا کہنا!
خدا کی شان ہے، ناچیز، چیز بن بیٹھیں
جو بے شعور ہوں، یوں باتمیز بن بیٹھیں
تری بساط کیا ہے، میری شان کے آگے
زمیں ہے پست، مری آن بان کے آگے
جو بات مجھ میں ہے، تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں
بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں"

کہا یہ سن کے گلہری نے ”منہ سنبھال ذرا
یہ کچی باتیں ہیں، دل سے انھیں نکال ذرا
جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حِکمت ہے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے
مجھے درخت پر چڑھنا سکھا دیا اس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
نری بڑائی ہے، خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز نِکمّی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قُدرت کے کارخانے میں“

نثر میں لکھیے:

۱۔ تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے

۲۔ نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا

۳۔ بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے

۴۔ قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں

لکھیے:

پہاڑ اور گلہری کی گفتگو اپنی زبان میں لکھیے۔

غور کرنے کی بات:

۱۔ ناچیز کے معنی ہیں: ''جس کی کوئی حیثیت یا عزت نہ ہو''۔ لیکن ''چیز'' کے معنی ''حیثیت'' یا ''عزت'' نہیں ہوتے۔ شاعر نے ''ناچیز'' کے لفظ سے فائدہ اٹھا کر ''چیز'' کو نئی طرح سے استعمال کیا ہے۔

۲۔ طَرح، کا تلفظ کبھی کبھی ''طرُح'' بھی ہوتا ہے۔

حُبِّ وطن

حالؔی

اے وطن اے مرے بہشتِ بریں
کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں

کاٹے کھاتا ہے باغ بن تیرے
گل ہیں نظروں میں داغ بن تیرے

مٹ گیا نقش کامرانی کا
تجھ سے ہے لطف زندگانی کا

جو کہ رہتے ہیں تجھ سے دور سدا
ان کو کیا ہوگا زندگی کا مزا

سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے
یا کہ مجھ سے ہی تیرا ناتا ہے

جنّ و انسان کی حیات ہے تو
مُرغ و ماہی کی کائنات ہے تو

تیری اک مُشتِ خاک کے بدلے
لُوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے

جان جب تک نہ ہو بدن سے جُدا
کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جُدا

پڑھیے اور سمجھیے:

بہشتِ بریں	: اعلا درجہ کی بہشت	کامرانی	: کامیابی
ماہی	: مچھلی	مُشتِ خاک	: مٹھی بھر مٹی
کائنات	: پونجی، سرمایہ، کل موجودات		

سوچیے اور بتائیے:

۱۔ وطن کسے کہتے ہیں؟
۲۔ انسان کو اپنے وطن سے کیوں محبت ہوتی ہے؟
۳۔ شاعر کو اپنا وطن کیسا معلوم ہوتا ہے؟
۴۔ مندرجہ ذیل مصرعوں کا کیا مطلب ہے؟

گل ہیں نظروں میں داغ بن تیرے
جن و انسان کی حیات ہے تو
کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جُدا

اِس نظم کے کوئی پانچ شعر زبانی یاد کیجیے۔

صُبح کا ترانہ

اسماعیل میرٹھی

خبرؔ دن کے آنے کی میں لا رہی ہوں
اُجالا زمانے میں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں
پکارے گلے صاف چلّا رہی ہوں
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اَذاں پر اَذاں مُرغ دینے لگا ہے
خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عَجب چَہچہا ہے
سُہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہَوا ہے
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

یہ چِڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غُل مَچا تیں
اِدھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتیں
دُموں کو ہلاتیں، پَروں کو پُھلاتیں
مری آمد آمد کے ہیں گیت گاتیں
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

ہوئی مجھ سے رَونق پہاڑ اور بَن میں
ہر اِک مُلک میں، دیس میں اور وطَن میں
کِھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں
بُجھاتی چلی شَمع کو اَنجُمن میں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

لو ہُشیار ہو جاؤ اور آنکھیں کھولو
نہ لو کَروَٹیں اور نہ بِستَر ٹَٹولو
خُدا کو کرو یاد اور مُنھ سے بولو
بس اب خیر سے اٹھ کے منھ ہاتھ دھولو

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

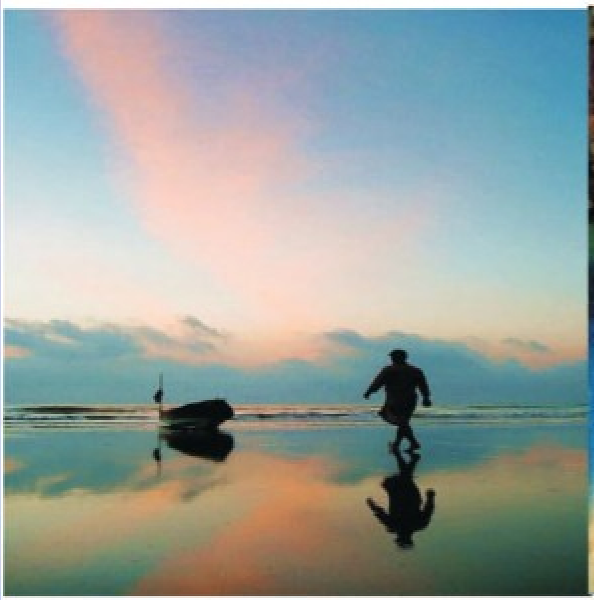

پڑھیے اور سمجھیے:

آمد	:	آنا	انجُمن	:	محفل
رَونق	:	چَہل پَہل	پُکارے گلے صاف	:	اُونچی آواز میں

سوچیے اور بتائیے:

ا۔ دن کے آنے کی خبر کون لا رہا ہے؟
۲۔ صبح اپنی آمد کی خبر کس طرح دیتی ہے؟
۳۔ چڑیاں کس طرح صبح کی آمد کی خبر دیتی ہیں؟
۴۔ صبح کی رونق کہاں کہاں ہوتی ہے؟
۵۔ صبح اپنی آمد پر سونے والوں سے کیا کرنے کو کہہ رہی ہے؟

خالی جگہوں کو دیے ہوئے لفظوں سے پُر کیجیے:

ا۔ یہ..........جو پیڑوں پہ ہیں غُل مچاتیں۔ (پرندے۔ چڑیاں)
۲۔ ادھر سے..........اُڑ کے ہیں آتی جاتیں۔ (اُدھر، وہاں)
۳۔ کِھلاتی ہوئی..........آئی چمن میں۔ (گُل، پُھول)
۴۔ بُجھاتی چلی..........کو انجمن میں۔ (شمع، چراغ)
۵۔ لو ہشیار ہو جاؤ اور..........کھولو۔ (آنکھیں، پلکیں)

یاد کیجیے:

اس نظم کو زبانی یاد کیجیے۔

غور کرنے کی بات:

☆ نظم کے تیسرے بند میں ''چڑیاں غُل مچاتیں'' اور اُڑ کے آتی جاتیں'' اور ''دُموں کو ہلاتیں'' اور ''پروں کو پُھلاتیں'' اور ''گیت گاتیں'' لکھا گیا ہے۔ یہ پُرانے زمانے کی بولی ہے۔ اِس زمانے میں ''مچاتی''، ''جاتی''، ''ہلاتی'' اور ''گاتی'' بولا جاتا ہے۔

☆ صبح کا صحیح تلفظ صُبح ہے، لیکن عام بول چال میں صُبَح بولتے ہیں۔

حصّہ نثر

اڈیشا کے جنگلات

ڈاکٹر شیخ مبین اللہ

بتاؤ بچو! دنیا کی ایسی کون سی شے ہے جو بچوں کا دوست ہونے کے ساتھ ساتھ بوڑھوں کا بھی دوست ہے؟ یہ ہے جنگل! دنیا کے پہلے آدمی کی پہلی آواز جنگل سے ہی ابھری۔ قدیم انسان کی پیدائش پرورش اور موت بھی اسی جنگل میں ہوئی تھی۔ جنگل سے ہم غذا، پھل، پھول، جڑی، بوٹیاں، دوائیں اور ایندھن کے لئے لکڑیاں حاصل کرتے ہیں۔ جنگل ہے جنگلی جانوروں، پرندوں، چرندوں، درندوں اور موذی جانوروں کا مسکن۔ اگر جنگل نہیں ہوتا تو اس دنیا میں انسان کا وجود ہی نہ ہوتا۔ دنیا ایک ریگستان اور سنسان جگہ ہوتی۔

آج انسان جنگل کو ختم کرنے کے در پے ہے۔ وہ جنگل کے پیڑ پودوں کو بے دردی سے کاٹ رہا ہے اور اس کی جگہ کارخانے بنا رہا ہے۔

اڈیشا کے جنگلات بیرونی ممالک کے سیاحوں کا دامنِ دل کھینچتے ہیں۔اڈیشا کے مغربی اور جنوبی علاقے جنگلات سے پر ہیں۔اس کے علاوہ سمندری ساحلوں میں بھی جھاؤ کے جنگل پائے جاتے ہیں۔اڈیشا کے برہم پور، پوری، جگت سنگھ پور، کٹک، کیندرہ پاڑہ، جاج پور، بھدرک اور بالیسر ضلعے خلیجِ بنگال کے ساحل سے متصل ہیں۔ان ساحلی علاقوں میں جھاؤ کے علاوہ شال، پیاشال، کوروم، ساگوان اور شیشو جیسی قیمتی لکڑیوں والے پیڑ پائے جاتے ہیں۔

شیر، بَبر، ہاتھی سے لے کر ہرن، جنگلی بھینس، جنگلی سور تک، توتا، مینا اور پپیہا سے لے کر اژدہے، سانپ اور مگرمچھ تک تمام جانوروں اور پرندوں کا جنگل میں بسیرا ہے۔

ہمارا صوبہ جنگل کی دولت سے کافی مقدار کا خراج بھی وصول کرتا ہے۔ندی، نالے، پرنالے اور جھرنے بھی جنگل سے ہو کے نکلتے ہیں۔صوبہ کا رقبہ ہے ۱۵،۵۷۰۷ ار مربع کیلومیٹر اور اس میں جنگلات کا علاقہ ہے ۸،۱۳۵ ر مربع کیلومیٹر۔

جنگلات کے فوائد بے شمار ہیں۔اس میں قیمتی پیڑ پودے، معدنیات، اور قیمتی ادویات ملتے ہیں۔جنگل ہمیں ماحول کی آلودگی سے روکتا ہے۔طوفان، سیلاب اور قحط کو روکنے کے لئے جنگل اکسیر کا کام کرتا ہے۔ہمیں جنگل کے پیڑ پودوں سے ہی آکسیجن ملتا ہے۔جنگل سیلاب کو روکتا ہے۔جنگل مٹی کو پانی اور ہوا کے اثرات سے محفوظ کرنے میں مدد کرتا ہے۔

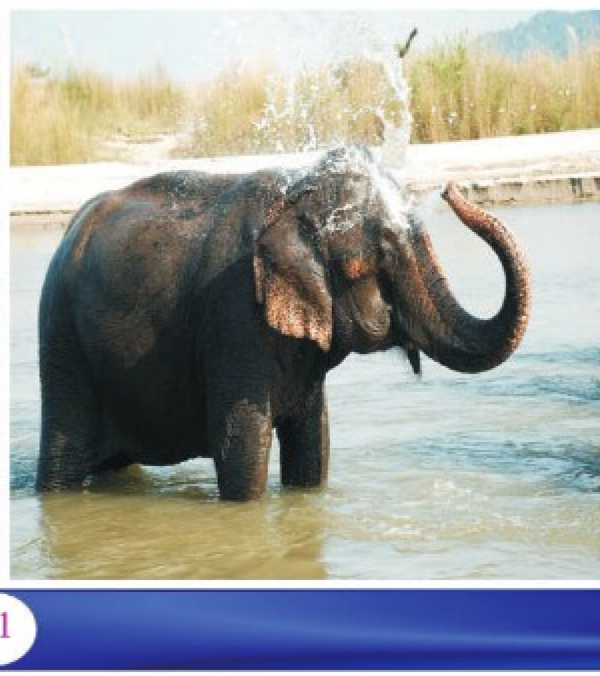

جنگل سے آدمیوں کو روزی روٹی ملتی ہے۔ آدی باسی اسی جنگل سے کوچلا، شہد، مہوا وغیرہ بیچ کر زندگی گزارتے ہیں۔ جھاؤ اور ہنتال کے جنگل سونامی جیسے خطرات سے ساحلی علاقوں کو بچاتے ہیں۔ پہلے اڈیشا کے جنگلات کا علاقہ پورے رقبہ کا ۳۸/فی صد حصہ تھا جب کہ ابھی صرف ۱۲/فی صد حصہ رہ گیا ہے۔ اڈیشا میں ۱۵/لاکھ ایکٹر سے زیادہ جنگل ختم ہو گیا ہے۔ رفتہ رفتہ اڈیشا کے جنگلات ختم ہوتے جارہے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم کو سیلاب، طوفان اور قحط کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

جنگل کی حفاظت کے لئے ۱۹۵۰ء سے قومی سطح پر ایک تحریک شروع کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں اڈیشا کی سرکار نے ۱۹۸۸ء میں ایک قانون بھی بنایا اور اعلان جاری کیا۔ غیر قانونی طور پر جنگل کو نقصان پہنچانے کے خلاف پابندی لگائی گئی۔ اڈیشا میں ہر سال ۱۲/مارچ کو "یومِ جنگلات" منایا جاتا ہے۔ جنگل کی حفاظت کے لیے محکمۂ جنگلات کام کر رہا ہے۔

جنگل کے فوائد کو نظر کے سامنے رکھتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ ہم جہاں تک ہو سکے جنگل کی حفاظت کریں۔ نئے پیڑ پودے لگائیں۔ لوگوں کو جنگل کے فوائد بتائیں۔ پیڑ پودے لگانے کو اپنی زندگی کا شعار بنالیں۔

پڑھیے اور سمجھیے:

پرورش	پالنا	ایندھن	جلانے کی چیزیں
مسکن	ٹھہرنے کی جگہ	شعار	طریقہ
اکسیر	لازمی اثر کرنے والی دوا		
ساحل	سمندر یا دریا کا کنارہ		

سوچیے اور بتایئے:

۱۔ قدیم انسان کہاں پیدا ہوا تھا؟
۲۔ جنگل سے ہمیں کیا چیزیں ملتی ہیں؟
۳۔ جھاؤ کے جنگل کہاں پائے جاتے ہیں؟
۴۔ آدی باسی جنگل کی کن چیزوں کو بیچ کر زندگی گزارتے ہیں؟
۵۔ لکڑیوں کے نام لکھیے؟
٦۔ جانوروں اور پرندوں کے نام لکھیے۔

لفظ بنایئے:

جیسے: رکھنا : رکھیے

لگانا :	....	روکنا :	....
جانا :	....	بچانا :	....

واحد بنائیے:

جمع	:	واحد	جمع	:	واحد
جانوروں	:	جانور	جنگلات	:	
ساحلوں	:		لکڑیوں	:	
ادویات	:		خطرات	:	
فوائد	:		ممالک	:	
علاقوں	:		چرندوں	:	
پرندوں	:		درندوں	:	

بلند آواز سے پڑھیئے اور معنی یاد کیجیے:

قدیم۔موذی۔سمندر۔بے دردی۔مسکن۔بیرونی۔سیاحوں۔قحط۔محفوظ۔ماحول

استاد کے لئے ہدایت:

بچوں کو اوپر کے الفاظ کے معنی بتائیے اور املا یاد کروائیے۔

فخرِ اڈیشا مدھوسدن داس

محمد مطیع اللہ نازش

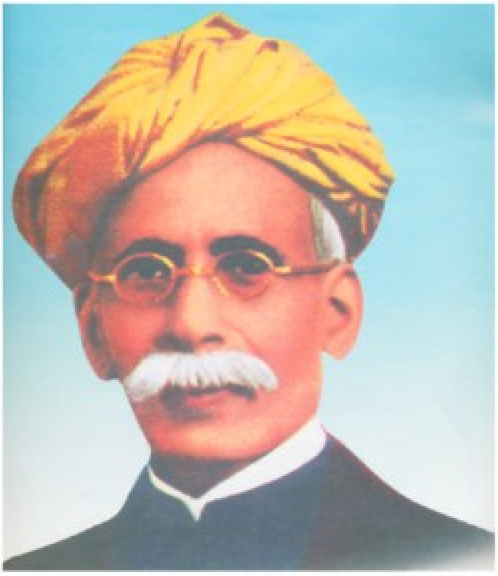

مدھوسدن داس ایک بے مثال قومی خدمت گذار تھے۔ان کی بہت سی خدمات قابل ذکر ہیں۔ ان میں اڈیشا کو مستقل صوبہ کی حیثیت دلانا، اتکل سبھا اور اتکل ٹینری کا قیام وغیرہ شامل ہیں۔ان کے دل میں وطن کی محبت کا جذبہ بھرا ہوا تھا۔ وہ ایک نامور وکیل تھے۔انہیں لوگ مسٹر داس اور مدھو بارشٹر کے نام سے یاد کیا کرتے ہیں۔

مدھوسدن داس اڈیشا کے لوگوں کی غریبی، جہالت اور پریشانیوں کو دیکھ کر بے حد رنجیدہ ہوا کرتے تھے۔انگریزوں کے اڈیشا میں آنے سے پہلے اڈیشا کی سرحدیں اتر میں گنگا دریا سے لے کر دکھن میں گوداوری تک پھیلی ہوئی تھیں۔لیکن انگریزوں نے دھیرے دھیرے اس کا نام ونشان مٹا دیا تھا۔اڈیشا کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مدراس، مدھیا پردیش، بہار اور بنگال کا حصہ بنا دیا تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ اڈیشا کے لوگوں کے لیے کلکتہ میں قلی گری کے علاوہ اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔لہٰذا! مدھو بابو کی کوشش یہ رہی کہ پھر سے بچھڑے علاقوں کو ملا کے صوبہ اڈیشا بنایا جائے۔

مدھو بارشٹر کا جنم ۲۸ /اپریل ۱۸۴۸ء کو ستیہ بھاما پور گاؤں میں ہوا، جو کٹک ضلع میں ہے۔ ان کے والد کا نام چودھری رگھوناتھ داس اور ان کی والدہ کا نام پاروتی دیوی تھا۔ مدھوسدن داس اپنے والدین کے تیسرے لڑکے تھے۔ ان سے بڑی دو بہنیں تھیں۔ مسٹر داس کا اصلی نام گوبند ولبھ داس تھا لیکن اسکول، کالج اور سرکاری کاغذات میں آپ کا نام مدھوسدن داس تھا۔ اور اسی نام سے پوری دنیا میں مشہور ہوئے۔

مدھوسدن داس کی ابتدائی تعلیم ستیہ بھاما پور گاؤں کے اسکول سے شروع ہوئی۔ اس وقت ان کے اساتذہ چھپر کے کچے گھر کے فرش پر انہیں اور ان کے ساتھیوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ کھڑی سے فرش پر لکھا کرتے تھے اور حساب وغیرہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اساتذہ فرش پر لکھ دیا کرتے تھے۔ طلبہ اسی کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد لوہے کے قلم سے تاڑ کے پتے پر لکھنا شروع کیا۔ یہی اس دور کا کاغذ قلم تھا۔ گاؤں کے اسکول سے فارغ ہو کر مدھو بارشٹر نے مہاسنگھ پور کے ایک اڑیا اسکول میں کچھ دنوں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ان کے والد نے ان کا داخلہ راونشا کالجیٹ اسکول کے چھٹے کلاس میں کر دیا۔ اس دور کا یہی ایک نامی گرامی سرکاری ہائی اسکول تھا۔ اور اب بھی ہے۔ اس وقت راونشا کالجیٹ اسکول میں بنگالی طلبہ اور اساتذہ کی اکثریت تھی۔ بنگالی طلبہ کے ساتھ اڑیا طلبہ کے تعلق اچھے نہیں تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنگالی طلبہ کا لباس، وضع قطع اور چال چلن وغیرہ مغربی طرز کا تھا۔ لیکن اڑیا طلبا کا پہننا اوڑھنا سیدھا سادہ اور مشرقی انداز کا تھا۔ اس وقت مدھوسدن تانت کا بنا ہوا سوتی کپڑا پہنتے تھے۔ انگریزی طرز کا کرتا پتلون وغیرہ کا چلن اڑیسہ میں رائج نہیں تھا۔ اس دور کے مطابق مدھوسدن سر میں لمبے لمبے بال اور چوٹی گوندھا کرتے تھے۔ اس لیے اکثر ہم سبق ساتھیوں کے ہنسی مذاق کا شکار ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بنگالی لڑکے نے ان کے سر کے بال کاٹ دیئے تھے۔ جب مدھوسدن داس نے اس نازیبا حرکت کی فریاد کی تو سارے بنگالی طلبا اور اساتذہ ان پر بہت ناراض ہوئے۔ اسی دن سے انہوں نے سوچا کہ اڈیشا کو ایک الگ صوبہ بنانا پڑے گا۔

۱۸۸۴ء میں مدھوسدن داس نے انٹرانس (مٹریکولیشن) کا امتحان دیا اور امتیازی نمبر سے پاس کیا۔ ان کے علاوہ کل پانچ طلبہ نے انٹرانس میں کامیابی حاصل کی۔ بچپن سے مدھوسدن داس کو پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ انٹرانس پاس کرنے کے بعد کالج میں پڑھنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت اڈیشا میں کوئی کالج نہیں تھا۔ لازماً کلکتہ جانا پڑتا تھا۔ مگر ان کے والد انہیں مزید تعلیم دلانا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ وہ ان کی ملازمت کے خواہاں تھے۔ اس زمانے میں کلکتہ جانے کے لیے کوئی پکی سڑک اور ریل گاڑی وغیرہ نہیں تھی۔ سمندر کے راستے اسٹیمر پر سفر کیا جاتا تھا جو خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اسی اثنا میں بالیسر ضلع اسکول میں تیسرے مدرس کی حیثیت سے تقرری ہوئی۔ جب ان کے پاس کچھ رقم اکٹھا ہوگئی تو ملازمت ترک کر کے اعلا تعلیم کے لیے کلکتہ جانا طے کیا۔ بالیسر میں رہنے کے دوران عیسائی مذہب کی جانب رجحان پیدا ہوا۔

چنانچہ ۱۸۶۶ء کو مدھوسدن داس چاند بالی بندرگاہ سے روانہ ہو کر کلکتہ پہنچے۔ بھدرک کے نیلو مادھو داس کے گھر میں رہے اور ان کے بچوں کو پڑھانے لگے۔ ۱۸۶۶ء کو بیتھن کالج کلکتہ میں ایف اے میں داخلہ لیا۔ ۱۸۶۸ء کو ایف اے امتیازی نمبر سے پاس کیا۔ کلکتہ میں اکثر بڑے بڑے پادریوں سے ان کی ملاقات ہوتی رہی۔ ان سے متاثر ہو کر ۱۸۶۹ء میں عیسائی مذہب قبول کر لیا۔

۱۸۷۰ء کو مدھوسدن داس نے کلکتہ یونیورسٹی سے بی اے پاس کر کے اڈیشا کے اولین گریجویٹ ہونے کا فخر حاصل کیا۔ اس کے بعد ۱۸۷۳ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے پاس کیا۔ تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کے لیے ایک عیسائی مشنری اسکول میں مدرسی کرتے رہے۔ پھر اپنی تعلیم کے لیے کافی وقت دینا پڑتا تھا۔ اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے وقتی طور پر کلکتہ ہائی کورٹ کے جرنل (رسالہ) کے لیے ٹرانسلیٹر کا بھی کام کیا۔ گویا ان دنوں بڑی محنت اور جاں فشانی کا سامنا کر کے مکمل تعلیم حاصل کی۔ دل لگن، جان توڑ محنت اور مشقت سے اعلا تعلیم حاصل کر کے مدھوسدن داس نے نہ صرف اپنا بلکہ اڈیشا کا سر بلند کیا۔

۱۸۷۳ء کو کلکتہ میں ایک عیسائی بنگالی سودامنی خاتون سے شادی کر لی۔ مدھوسدن داس لا اولاد تھے۔ ۱۸۷۸ء میں سودامنی کا اچانک انتقال ہو گیا۔ جس سے مدھوسدن داس دکھی ہوئے اور دوبارہ شادی نہیں کی۔ امبیکا چرن ہاجرا مدھو بابو کے گہرے دوست تھے۔ وہ بھی عیسائی تھے۔ ان کا خاندان بھی مدھو بابو کے ساتھ رہتا تھا۔ ان کی کئی اولادیں تھیں، ان میں سے بڑی شیلا بالا کو انہوں نے اپنی بیٹی بنا کر پالا پوسا، پڑھایا لکھایا اور کامیاب کیا۔

۱۸۷۳ء میں گارڈن ریچ کلکتہ کے ایک انگلش میڈیم اسکول میں ہیڈ ماسٹر کے عہدے پر کام کیا۔ اسی دوران اڑیا مزدوروں کے بچوں کی تعلیم کے لیے کلکتہ میں ایک اسکول بھی قائم کیا تھا۔ ۱۸۷۸ء میں مدھو بابو نے وکالت کی ڈگری حاصل کی یعنی وہ اڈیشا کے اولین ایم اے بی ایل کی ڈگری والے شخص تھے۔ کلکتہ میں مدھو بابو نے وکالت شروع کی۔ مگر بیوی کے مرنے کے بعد کلکتہ انہیں ڈسنے لگا اور اکثر اداس رہا کرنے لگے۔ ۱۸۸۰ء کو کلکتہ سے وکالت چھوڑ کر کٹک چلے آئے اور کٹک میں وکالت شروع کی۔ اس وقت کورٹ کچہری سے لے کر سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر بلکہ اڈیشا کے تمام محکموں میں اڑیا لوگوں کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ جس سے مدھو بابو کو بڑی حیرت ہوئی۔ مدھو بابو نے پہلے اڑیا وکیل کی حیثیت سے نمایاں شہرت اور کامیابی حاصل کی۔ یہیں سے اڑیسہ میں ان کی عملی اور قومی خدمات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ انہوں نے اڑیسہ کو ایک منظم، ٹھوس ریاست بنانے کا عزم کیا اور ترقی کا بیڑہ اٹھایا۔ اسی لیے مدھوسدن داس کو ترقی یافتہ جدید اڈیشا کا معمارِ اعظم کہا جاتا ہے۔

۱۸۶۶ء کو اڈیشا کو زبردست قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس آفات سماوی وارضی میں اڈیشا کے لوگ ٹوٹ گئے تھے۔ لاکھ لاکھ انسان جان بحق ہو گئے تھے۔ ایسے میں مدھوسدن داس نے پہلے کاریگروں کو بھوک پیاس کی اذیت اور موت کے منھ سے بچانے کے لیے جدوجہد شروع کی۔ چنانچہ سونا چاندی اور تارکشی کے کاریگروں کے لیے ''اڈیشا آرٹ ورکس'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔

اسی طرح سوتی کا کپڑا بننے کا پیشہ عام کیا۔اس طرح انہوں نے اڈیشا میں قحط سالی کے مارے پست ہمت لوگوں کی ڈھارس بندھوائی۔آڑے وقت میں ان لوگوں کی قیادت سنبھالی، ان کی بھرپور رہنمائی کی۔

مدھو بابو نے ہندوستان میں پہلی بار ''اتکل ٹنری'' نامی جوتا فیکٹری قائم کی۔عمدہ عمدہ جوتا تیار کیا جانے لگا، فوجوں کو جوتا مہیا کرایا گیا، اس کے علاوہ یوروپ کو بھی جوتا روانہ کیا جانے لگا۔لیکن ۱۹۲۸ء میں یہ جوتا کارخانہ مالی بحران کا شکار ہوا۔ مدھو بابو کی انتھک کوششوں کے باوجود آخر کار یہ کارخانہ بند ہوگیا۔

مدھوسدن داس نے ۱۹۰۳ء میں ''اتکل سملن'' کا پہلا اجلاسِ عام منعقد کیا۔''اتکل سملن'' کا مقصد انگریزوں سے ہندوستان کی آزادی حاصل کرنا تھی۔اس سملن کا پہلا مقصد اڑیا بولنے والے لوگوں کی علاحدہ ریاست قائم کرنا تھا۔۱۹۰۵ء میں مدھوسدن داس کی کوششوں سے سمبل پور اڈیشا پردیش میں شامل ہوا، جو مدھیا پردیش کا حصہ بن گیا تھا۔

۱۹۲۷ء میں ''سائمن کمیشن' ہندوستان کو نئے سرے سے انتظامی بہتری کے لیے قائم ہوا۔اس کمشن کی رپورٹ کے مطابق اتکل پردیش کے قیام کا مطالبہ منظور ہوا۔حال آں کہ آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی نے ''سائمن کمیشن'' کی خوب مخالفت کی۔لیکن مدھو بابو کی دور اندیشی تھی کہ انہوں نے اس کمیشن کی تائید کی۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ یکم اپریل ۱۹۳۶ء میں اڈیشا کو ایک مستقل ریاست کا درجہ ملا۔اس کامیابی کا سہرا مدھوسدن کے سر بندھتا ہے۔پارلہ کھمنڈی کا راجواڑہ اڈیشا سے الگ رہ گیا تھا۔
پارلہ کھمنڈی کے راجا نے لندن میں انگریزوں سے لڑکر اسے اڈیشا کے حدود میں شامل کیا۔

مدھوسدن داس نے یہاں کے لوگوں کو اڑیا قومیت کا احساس دلایا اور ان کے اندر قومی بیداری پیدا کی۔ ۱۹۰۷ء کو اڈیشا کے ضلع کٹک کے کیندراپاڑہ میں زبردست سیلاب آیا۔ اس سے بہت لوگ اور مویشی پانی میں بہہ گئے۔ مکانات منہدم ہو کر مٹی میں مل گئے، لوگوں کو کھانا دانہ میسر نہ ہوا، لوگ پھر قحط اور بھوک مری کا شکار ہو گیے۔ یہ خبر سن کر مدھو بابو لندن سے جلد اڈیشا واپس آگیے اور سیلاب زدہ علاقوں میں راحت کاری اور باز آبادکاری میں نمایاں کام انجام دیا۔

مدھوسدن داس کی حُبُّ الوطنی، ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد خصوصاً اڈیشا کو مستقل صوبہ کی حیثیت دلانے کی کوشش ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آخر کار ۴؍فروری ۱۹۳۴ء کی رات کو الگ تھلگ اڈیشا پردیش کے قیام کا ارمان دل میں لیے اس دنیا سے کوچ کر گیے۔ ان کے انتقال سے ایسا خلا پیدا ہوا ہے جو کبھی نہ پر ہوگا۔ وہ اڈیشا کی آبرو تھے۔ انھوں نے اپنی ساری جائداد اپنی منہ بولی لڑکی شیلا بالا کے نام کر دیا۔ آج مدھو بابو کے طویل و عریض میدان اور مکان میں شیلا بالا ویمنز کالج کٹک میں قائم ہے۔ اڈیشا کے لوگوں کے دلوں میں وہ آج بھی امر ہیں اور کل بھی امر رہیں گے۔

بچو! تم نے مدھو بابو کے بارے میں پڑھا۔ ان میں پڑھنے کا کس قدر شوق تھا، کس طرح اپنی محنت اور کوشش سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اڈیشا کے لوگوں کا سر فخر سے بلند کیا۔ اڈیشا کے صوبہ کو بہار سے الگ تھلگ کرنے میں، قحط سالی سے متاثر لوگوں اور سیلاب زدہ لوگوں کی کیسی عظیم خدمت انجام دی۔ سچ کہا ہے کسی نے "خدمت سے خدا ملتا ہے اور عبادت سے جنت"۔ اسی طرح تم بھی محنت سے خوب جی لگا کر پڑھنا، اپنے استادوں اور والدین کا سر دنیا میں اونچا کرنا کیوں کہ تعلیم سے ہی غربت دور ہوتی ہے اور سربلندی اور عزت زندگی کے ہر گام پر ملتی ہے۔ صوبہ اڈیشا کو مضبوط اور ترقی یافتہ دیش بنانے کی جدوجہد ہمیشہ کرتے رہنا۔

پڑھیئے اور سمجھیے:

جذبہ	:	جوش، ولولہ	فرش	:	بستر، بچھونا
وضع قطع	:	حلیہ	اکثریت	:	زیادتی، کثرت
نازیبا	:	نامناسب، غیر موزوں	رجحان	:	میلان، توجہ
خواہاں	:	خواہشمند، طالب، چاہنے والا	فخر	:	غرور، ناز
جان فشانی	:	جان چھڑکنا، سرگرمی	قیام	:	سکونت، کھڑا ہونا
منہدم	:	گرا ہوا، مسمار، ویران	طویل و عریض	:	لمبا چوڑا

سوچئے اور بتائیے:

۱۔ مدھوسدن داس کی قومی خدمات کیا تھیں؟

۲۔ مدھوسدن داس اڈیشا کے لوگوں کی کن حالات کو دیکھ کر رنجیدہ رہا کرتے تھے؟

۳۔ مدھوسدن داس کب اور کہاں پیدا ہوئے تھے؟

۴۔ مدھوسدن داس کا اصلی نام کیا تھا؟

۵۔ مدھوسدن داس کلکتہ کب اور کیوں گیے؟

۶۔ مدھوسدن داس کی ابتدائی تعلیم کہاں شروع ہوئی تھی؟

۷۔ مدھوسدن داس نے کب اور کس سے شادی کی تھی؟

۸۔ امبیکا چرن ہاجرا کون تھے؟

۹۔ مدھو بابو کو کس لئے جدید ترقی یافتہ اڈیشا کا معمار اعظم کہا جاتا ہے؟

۱۰۔ ''اتکل سمّیلن'' کا پہلا اجلاس کب منعقد ہوا تھا؟

۱۱۔ اڈیشا کو ایک مستقل ریاست بنانے کا سہرا کس لئے مدھو بابو کے سر بندھتا ہے؟

۱۲۔ مدھو بابو کا انتقال کب ہوا؟

یاد کیجئے:

اسم کی دو قسمیں ہیں۔ (الف)اسم معرفہ اور (ب)اسم نکرہ۔

اسم معرفہ کا دوسرا نام اسم خاص ہے۔ یہ وہ اسم ہے جو کسی خاص آدمی، خاص چیز یا خاص جگہ کا نام ہو۔

جیسے: حامد، محمود، اکبر۔

خاص چیزوں کے نام: ہماری قواعد، الف لیلہ

خاص جگہوں کے نام: کٹک، بھوبنیشور

خاص پہاڑوں کے نام: کھنڈ گیری، کیپلاس

اسم نکرہ: اس اسم کو اسم عام بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ اسم ہے جو ایک طرح کی تمام چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ جیسے کتاب، بکری، بلی، کتا، چیل، کوّا۔

عملی کام:

اپنے سبق میں اسم معرفہ جیسے مدھوسدن داس کی طرح اور چار اسم معرفہ کی نشاندہی کیجئے۔ اسم نکرہ جیسے بندرگاہ کی طرح اور چار اسم نکرہ کی نشاندہی کیجئے۔

الفاظ درست کر کے لکھیئے:

مہنت۔ رکم۔ مزہب۔ مسکت۔ حاسل

ڈاکٹر امبید کر

سید فضلِ رسول

آج ۲۶ جنوری ہے۔

حامد! چلو جلدی سے کپڑے بدلو۔ آج اسٹیڈیم چلنا ہے۔ وہاں یوم جمہوریہ منایا جائے گا۔ آج ہی کی تاریخ ۲۶ رجنوری ۱۹۵۰ء کو ہمارے ملک کا دستور نافذ ہوا تھا۔ جو ڈاکٹر بھیم راؤ امبید کر کی نگرانی میں بنایا گیا تھا۔ ہر سال یوم جمہوریہ کے موقع پر ان کی یاد بھی تازہ ہوتی ہے۔

ڈاکٹر امبید کر کی خدمتوں کو ہندوستان کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ وہ قومی رہنمائی میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں جدید ہندوستان کا ایک معمار کہا جاتا ہے۔ ان کی قومی خدمات اور اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے حکومت ہند نے انہیں ملک کا عظیم ترین اعزاز ''بھارت رتن'' سے نوازا ہے۔

ڈاکٹر امبید کر کی پیدائش صوبہ مہاراشٹر کے ضلع رتنا گری کے قصبہ مہو میں ۱۴ اپریل ۱۸۹۱ء کو ہوئی تھی۔ وہ ایک اچھوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابھی وہ محض دو سال کے تھے کہ ان کے والد فوجی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور جب وہ چھے سال کے ہوئے ان کی والدہ دنیا سے چل بسیں۔

ڈاکٹر امبید کر کے والد کی ہمیشہ خواہش رہی کہ ان کا بیٹا اعلا تعلیم حاصل کرے۔ بچپن سے وہ بڑے ذہین اور محنتی تھے۔ اس زمانے میں ہندوستان میں چھوت اچھوت بھید بھاؤ کا گندہ رواج تھا۔ انہیں بھی ان حالات سے گزرنا پڑا۔ اسکول میں انہیں اعلیٰ ذات کے بچوں سے دور رکھا جاتا۔ ساتھیوں سے لیکر استاذہ لوگ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر اسکول میں پانی پینا ہوتا تو کوئی ساتھی اوپر سے ہتھیلی میں پانی انڈیل دیتا اور وہ پانی پی لیتے۔ نائی ان کے بال تک نہیں تراشتے اور اساتذہ سنسکرت پڑھانے سے گریز کرتے تھے۔ اس طرح ہندوستان میں دلتوں پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ مگر امبید کر محنت اور لگن کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے مراٹھا اسکول سے ۱۹۰۷ء میں امتیازی نمبر کے ساتھ میٹرک پاس کیا۔ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے انہوں نے الفنسٹن کالج سے ۱۹۱۲ء میں بی۔ اے کیا۔ انہی دنوں بڑودہ ریاست کی جانب سے ذہین اور ہونہار طالب علموں کے لئے ولایت میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظائف کا اعلان کیا گیا۔ ڈاکٹر امبید کر نے اس سنہرے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کولمبیا میں اعلا تعلیم حاصل کی۔

ڈاکٹر امبید کر ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۷ء تک امریکہ اور انگلینڈ میں رہے۔ وہاں انہوں نے معاشیات، سیاست اور قانون کا گہرا مطالعہ کیا اور قانون میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازے گئے۔

بچپن ہی سے دلتوں کے نامساوی حالات سے متاثر تھے۔تعلیم کے دوران انہوں نے محسوس کیا تھا کہ ہندوستان کے کروڑوں دلتوں کی زندگی بہتر بنایے بغیر ملک کی ترقی ناممکن ہے۔اس کے پیشِ نظر انہوں نے دلتوں کی اصلاح کی کوشش کی۔اور انہیں تعلیمی، سماجی، سیاسی اور معاشی حقوق دلانے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔دلتوں کی تعلیم کے لئے اسکول کھولے۔طلبا کو مفت کتابیں دی گئیں۔ممبئ میں انہوں نے سدھارتھ کالج آف آرٹس اینڈ سائنس کھولا۔ دلتوں کی خصوصی اختیارات کے لئے پیش قدمی کی اوران کی مسلسل کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ ۱۹۱۹ء میں آئین میں دلتوں کی ایک علاحدہ حیثیت تسلیم کر لی گئی۔ڈاکٹر امبید کر نے **اعلا** ذات کے ہندوؤں سے بھی اپیل کی کہ نیچی ذات کے دلتوں کے ساتھ برابری کا سلوک کریں اور انکے حقوق کو پامال نہ کریں۔اس سلسلے میں ۱۳ر جنوری ۱۹۲۰ء کو ایک مراٹھی رسالہ ''کونارک'' بھی جاری کیا۔

ڈاکٹر امبید کر کو یہ احساس تھا کہ قوم کی ترقی کا انحصار عورتوں کی تعلیم پر ہے۔ہمیشہ تعلیمِ نسواں پر زور دیتے رہے اور لڑکیوں کی کم عمر کی شادی سے پرہیز کرنے کی ہدایت کرتے رہے۔انہوں نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ ہندوستان کے تمام شہری چاہے وہ کسی بھی مذہب یا ذات سے تعلق رکھتے ہوں برابر ہیں۔

۱۹۴۷ء میں ڈاکٹر امبید کر نے ایک قومی رہنما اور ماہر قانون کی حیثیت سے اپنا مقام بنالیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ملک کی آزادی کے بعد ۱۹۴۷ء میں آئینِ ہند کا مسودہ تیار کرنے والی کمیٹی تشکیل کی گئی، اس کمیٹی کے چیرمین ڈاکٹر امبید کر ہی بنے۔انہوں نے ہندوستانی آئین میں بنیادی حقوق پر خصوصی توجہ دی اور پسماندہ طبقوں کا خاص خیال رکھا۔ذات پات کے بھید بھاؤ کو قانونی طور پر ختم کر دیا۔اور زندگی کی آخری سانس تک پسماندہ طبقات کی بھلائی کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔یہی وجہ ہے کہ انہیں پسماندہ طبقات کا مسیحا کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر امبید کر غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر قانون بنے۔آخر ۶ر دسمبر ۱۹۵۶ء میں ہندوستان کا یہ سپوت دنیا سے کوچ کر گیا۔

پڑھیے اور سمجھیے

نافذ	: جاری	پامال	: پاؤں سے روندنا
فراموش	: بھولا ہوا۔ یاد سے اترا ہوا	رہنما	: راستہ دکھانے والا
کوچ	: ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا	خواہش	: تمنا۔ آرزو۔ شوق
تسلیم	: سلام کرنا، سپرد کرنا۔ ماننا	پیش قدمی	: بڑھ کے کام کرنا، پہل

مسودہ : وہ تحریر جو سرسری طور پر لکھی جائے اور جسے صاف کرنے کی ضرورت ہو۔

معاشیات: اقتصادیات کا وہ علم جس میں دولت کی پیدائش اور تقسیم پر بحث کی جاتی ہے۔

معمار : عمارت بنانے والا

یاد کیجیے:

ا۔کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔اسم۔فعل۔حرف

اسم: کسی آدمی، کسی جانور، کسی جگہ یا کسی چیز کے نام کو اسم کہتے ہیں۔جیسے احمد، ہاتھی، کٹک، قلم

۲۔فعل: جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے۔اس میں تین زمانوں ماضی، حال اور مستقبل میں سے کوئی ایک زمانہ بھی پایا جائے۔جیسے: حامد نے خط لکھا۔اس جملے میں ''لکھا'' فعل ہے۔

ماضی: ۔حامد نے کتاب پڑھی۔حال: ۔محمد کتاب پڑھ رہا ہے۔مستقبل: ۔احمد کتاب پڑھے گا۔

۳۔حرف: وہ کلمہ ہے جو اسم اور فعل کو ایک دوسرے سے ملا دیتا ہے۔اس میں نام، کام اور زمانہ نہیں پایا جاتا ہے۔جیسے حامد بازار تک گیا۔محمد کو ابھی آنا چاہئے۔احمد گھر میں نہیں ہے۔

ان جملوں میں ''تک''، ''ابھی'' اور ''میں'' حرف ہیں۔

سوچیے اور بتائیے:

۱۔ ہمارے ملک کا دستور کب نافذ ہوا اور اس دن کو کیا کہا جاتا ہے؟

۲۔ ڈاکٹر امبید کر کی کیا حیثیت ہے؟

۳۔ ملک کا سب سے بڑا اعزاز کس کو اور کیوں ملا؟

۴۔ ڈاکٹر امبید کر کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی اور وہ کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے؟

۵۔ ان کے والد کی کیا خواہش تھی؟

۶۔ اس دور میں ہندوستان کا کیا رواج تھا اور امبید کر کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا؟

۷۔ انہوں نے میٹرک، بی اے اور پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگری کب اور کہاں سے حاصل کی؟

۸۔ بچپن ہی سے انہوں نے اپنے ساتھ کیا سلوک محسوس کیا؟

۹۔ ہندوستان کا پہلا وزیر قانون کون تھا اور کس نے دستور ہند کا مسودہ تیار کیا؟

۱۰۔ امبید کر آخر عمر تک کس بات کی جدو جہد کرتے رہے اور انہوں نے دنیا سے کب کوچ کیا؟

۱۱۔ جملے بنائیے: فراموش۔ ملازمت۔ رواج۔ انحصار۔ ماہر

۱۲۔ ڈاکٹر امبید کر پر دس جملوں میں ایک مضمون لکھئے۔

۱۳۔ خالی جگہوں کو پر کیجئے:

ڈاکٹر امبید کر ۱۹۱۳ء سے لے کر.......تک امریکہ اور.....میں رہے۔ جہاں معاشیات.....اور.....کا گہرا مطالعہ کیا۔ اور........میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازے گئے۔

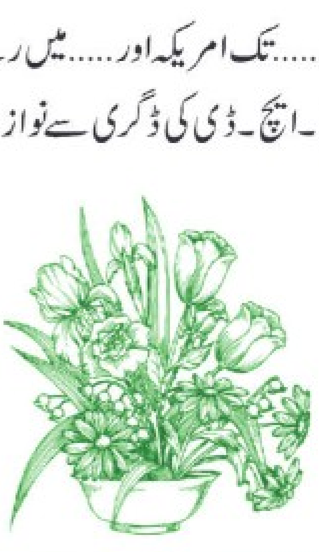

رسول پاک ﷺ کا جانوروں سے رحم وکرم کا معاملہ

سید منظور احمد قاسمی

اللہ رب العزت نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس دنیا میں اپنے آخری رسول کی حیثیت سے بھیجا۔ آپ کو رحمت اللعالمین کی حیثیت عطا فرمائی۔ آپؐ نے پچھلے رسولوں اور نبیوں کے جیسے وحدانیت کی تعلیم دی۔ یعنی اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ حضور ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں اور قیامت تک اور کوئی رسول یا نبی نہیں آئے گا۔ آپؐ کی پوری زندگی انسانیت کی بھلائی کے لیے وقف تھی۔ آپؐ کی بھلائی صرف انسانوں کے لیے ہی محدود نہیں تھی بلکہ جانوروں اور درختوں کے لیے بھی عام تھی۔ آپؐ نے اپنی زندگی کا مقصد سماج اور معاشرے سے ظلم وستم، نفرت، دشمنی بد اخلاقی، قتل ناحق جیسی برائیوں کو ختم کرنا تھا۔ آپس کی جنگ وجدل کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ آپؐ نے سماج کے ہر طبقے کو جوڑنے کی کوشش کی اور ہر حال میں اتفاق واتحاد کی تعلیم دی ۔حضور پاکؐ نے یاد دلایا کہ تمام انسان ایک آدمؑ کی اولاد ہیں۔ ان میں اختلافات اور لڑائی جھگڑے انتہائی بدقسمتی کی علامتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ عطا کیا۔ حضورؐ اعلیٰ اخلاق، رحم وکرم اور عدل وانصاف کے مجسمہ تھے۔

حضور پاکؐ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی کہ کچھ نوجوانوں نے آپس میں مل کر ایک تنظیم بنائی جس کے مقاصد میں چند اہم باتیں شامل تھیں۔ وہ یہ کہ ہر حال میں بدامنی کو پھیلنے سے روکیں گے، غریبوں اور مفلسوں کی مدد کریں گے، مسافروں کی اور ان کی تجارت کے مال واسباب کی حفاظت کریں گے، روزانہ کی سماجی زندگی میں ایک دوسرے کی اخلاقی اور مالی مدد کرنے میں پیچھے نہیں رہیں گے۔ ایک اہم مقصد اس تنظیم کا یہ تھا کہ مکّہ میں کسی پر ظلم ہرگز نہیں ہونے دیں گے، ہمیشہ مظلموں کا ساتھ دیں گے۔ ظلم کرنے والے اپنے ہوں یا غیر، ہر حال میں ہم مظلموم کا حق دلا کر ہی دم لیں گے اور ان لوگوں نے یہ بھی ارادہ کیا کہ جب تک حرا اور احد پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں گے وہ حضرات اپنے فیصلے پر قائم رہیں گے۔

جاہلیت کے زمانے میں مکہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں جتنے قبیلے رہتے تھے ان میں آپسی تعلقات بہت خراب تھے۔ جانوروں کے ساتھ بہت ہی بے رحمانہ برتاؤ کیا جاتا تھا۔ زندہ جانوروں کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھایا کرتے تھے اور اس جانور کے جسم کے زخم کی مرہم پٹی بھی نہیں کرتے تھے۔ اونٹ کے کوہان کو کاٹ کر کھالینا عام بات تھی۔ جانوروں کو باندھ کر تیروں اور برچھوں سے نشانہ بنایا جاتا تھا، زندہ دنبوں کی چکتی کاٹ کر لوگوں کو کھانے کی دعوت دی جاتی تھی۔

بڑی عجیب وغریب قسم کے رسم ورواج کا زمانہ تھا۔اگر کوئی شخص مرجاتا تو اس کا سب سے پسندیدہ جانور اس کی قبر کے پاس باندھ دیا جاتا تھا۔اور کھانے پینے کو کچھ دیا نہیں جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر وہ جانور وہیں مرجاتا تھا۔حضور پاکؐ نے تاکید کی کہ جانور پالتو ہیں۔ان کے کھانے پینے کا خوب خیال رکھو اور ان پر کسی قسم کی ظلم وزیادتی مت کرو۔ ورنہ اللہ پاک ناراض ہو جائیں گے اور تمہارے ساتھ بھی رحم وکرم کا برتاؤ نہیں کیا جایے گا۔

ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور پاکؐ کا ایک گدھے کے پاس سے گزر ہوا اور دیکھا کہ گرم لوہے سے اس کا چہرہ داغا گیا ہے اور نتھنے سے خون بہہ رہا ہے۔جس سے آپ کو بہت دکھ ہوا۔ فرمایا کہ جس نے اس مجبور و بے زبان جانور کے چہرے کو داغا،اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ پھر آپؐ نے لوگوں کو جانوروں کے چہرے اور جسم کو داغنے سے منع فرمایا۔

ایک مرتبہ حضورؐ کے ایک صحابی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہویے تو آپؐ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں پرندے کے بچے ہیں اور چوں چوں کر رہے ہیں۔آپؐ نے فرمایا یہ کہاں سے مل گیے؟ صحابیؓ نے عرض کیا کہ جھاڑیوں کے پاس سے گزر رہا تھا تو ان کی آواز سنی۔گھونسلے کے پاس جا کر ان کو نکال لایا۔ان کی ماں نے دیکھا تو میرے سر کے اوپر چکر کاٹنے لگی۔آپؐ نے فرمایا،''تم نے ان بچوں کو پکڑ کر ان کی ماں کو تکلیف پہنچائی،فوراً جاؤ اور ان بچوں کو وہیں ان کے گھونسلے میں رکھ دو،جہاں سے لایے ہو۔''

ایک مرتبہ حضور پاکؐ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے اور دیکھا کہ اس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے اندر کو چپکا ہوا ہے۔ آپؐ نے اس کے مالک کو بلا کر فرمایا، ''لوگو! ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ رب العزت سے ڈرتے رہو، ان کو بھوکا پیاسا نہ رکھو اور ہمیشہ انہیں اچھی حالت میں رکھنے کی کوشش کرو۔''

ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ نے اپنے جان نثار صحابیوں کو اک کہانی سنائی کہ ایک مسافر کو ویران اور سنسان راستے میں شدت کی پیاس لگی۔ تھوڑے فاصلے پر اسے ایک کنواں دکھائی دیا۔ اس نے اس کنویں میں اتر کر پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی۔ باہر نکلا تو اسے ایک کتا نظر آیا جو پیاس سے بہت بے قرار تھا۔ وہ شخص پھر کنویں میں اترا۔ اپنے موزے میں پانی بھر کر لایا اور کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی یہ نیکی اس قدر پسند آئی کہ اس شخص کو بخش دیا۔

حضور پاکؐ جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع فرماتے تھے، اس لیے کہ اس سے جانور زخمی ہو جاتے ہیں اور انہیں تکلیف ہوتی ہے۔

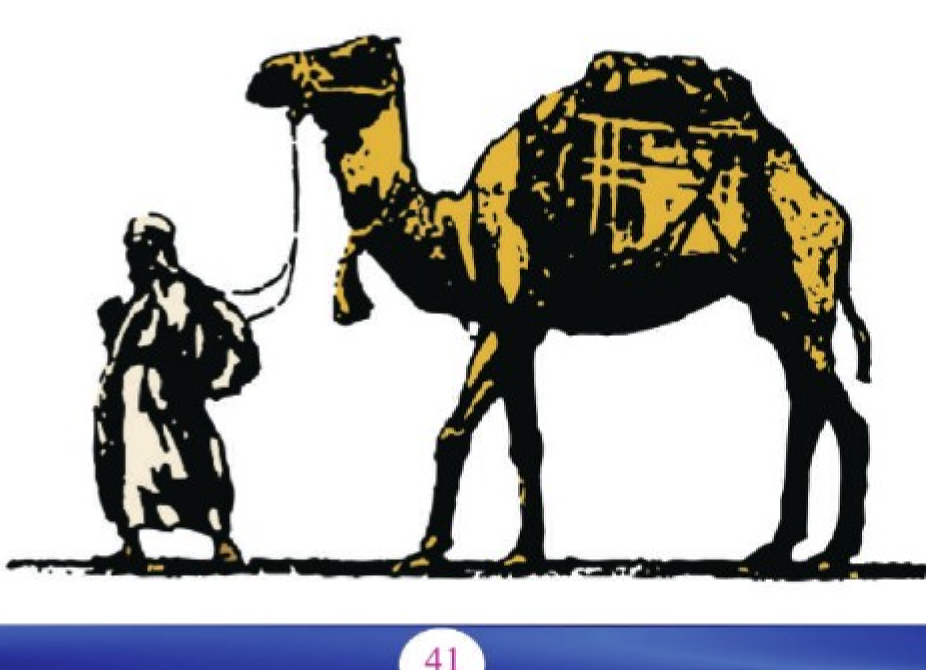

اللہ کے رسولؐ نے اپنے صحابہ کرام کو پرانے زمانے کا ایک قصہ سنایا کہ ایک عورت نے ایک بلّی باندھ رکھی تھی۔ اس کو نہ کچھ کھانے پینے کے لیے دیتی تھی اور نہ آزاد کرتی تھی کہ وہ ادھر ادھر سے کچھ شکار کر کے اپنا پیٹ بھر لے، یہاں تک کہ وہ بلّی مر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو بلّی پر اس ظلم کے بدلے دوزخ میں بھیج دیا۔

ایک مرتبہ رسول پاکؐ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گیے۔ وہاں ایک اونٹ بھوک سے بلبلا رہا تھا، آپ نے بڑی شفقت و محبت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس کے مالک کو بلا کر فرمایا، ''اس جانور کے بارے میں تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟'' وہ شرمندہ ہو گیے اور اونٹ کو اچھی حالت میں رکھنے کا وعدہ کیا۔

رسول پاکؐ کے ایک صحابی نے آپؐ سے عرض کیا، ''یا رسول اللہؐ میں نے اپنے اونٹوں کے لیے پانی کے حوض بنوائے ہیں۔ کبھی کبھی دوسروں کے اونٹ بھی وہاں آجاتے ہیں اور پانی پی لیتے ہیں۔ کیا انہیں پانی پلانے سے مجھے ثواب ملے گا؟'' آپؐ نے فرمایا ''ہاں! ہر پیاسے اور جاندار سے اچھا سلوک کرنے کا ثواب ملتا ہے۔''

حضور اقدسؐ کی پوری زندگی ہمارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہم سب عہد کریں کہ اپنی زندگی میں اسی طرح رحم و کرم کا معاملہ ہر جاندار کے ساتھ کریں گے۔

پڑھیے اور سمجھیے:

وقف	:	ٹھہراؤ	جنگ وجدل	:	لڑائی
اتفاق واتحاد	:	میل جول، میل ملاپ	مجسمہ	:	بُت
لعنت	:	پھٹکار، دھتکار	بے قرار	:	بے چین
عہد	:	قول وقرار، وقت، زمانہ			
صحابی	:	رسول اللہؐ کے ساتھی یا وہ مسلمان جنھوں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہو۔			

سوچیے اور بتائیے:

۱۔ ہمارے آخری نبی اور رسول کون تھے؟

۲۔ کیا آپؐ کی بھلائی صرف انسانوں تک محدود تھی؟

۳۔ چند نوجوانوں نے آپس میں مل کر کس لیے ایک تنظیم بنائی تھی؟

۴۔ اس تنظیم کا اہم مقصد کیا تھا؟

۵۔ جاہلیت کے زمانے کا حال لکھیے۔

۶۔ حضور پاکؐ جب ایک گدھے کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے کیا دیکھا؟

۷۔ حضور پاکؐ نے اپنے صحابیوں کو بلی کی کیا کہانی سنائی؟

۸۔ جملے بنائیے: جنگ۔ حفاظت۔ رحم۔ باغ

عملی کام:

جس لفظ میں ''ذ''، ''ص''، ''ض''، ''ع'' اور ''ق'' کا استعمال ہوتا ہے وہ لفظ عربی کا ہوتا ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر کون کون سے الفاظ عربی کے ہیں ان کی ایک فہرست بنائیے۔

گرم ہوا کی لہر

سیدہ ثمینہ اختر

BB9NRA

دنیا کی بہت سی جگہوں پر مختلف اوقات میں طوفان، سیلاب، قحط اور زلزلہ کے واقعات پیش آتے ہیں جس کی وجہ سے جان و مال کا کافی نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر سال گرم ہوا کی لہر سے انسان اور جانور موت کے گھاٹ اتر رہے ہیں۔ گرمی کے موسم میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں گرم ہوا کی لہر چلتی ہے جسے لو کہا جاتا ہے۔

گذشتہ کئی سالوں سے دنیا کے بہت سے حصوں میں گرمی بڑھنے لگی ہے۔ اسی طرح ہمارے صوبہ اڈیشا کے بہت سے علاقوں میں بھی گرمی کے موسم میں لو کی شدت بڑھنے لگی ہے۔ بعض علاقوں میں ہوا کا درجۂ حرارت ۵۰ ڈگری تک بڑھ جاتا ہے۔

انسان کے جسم کی حرارت تقریباً ۳۷ رڈ گری سیل سی لیس ہوتی ہے تو انسان عام طور پر کام کاج کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اگر یہ حرارت بڑھ جائے یا کم جائے تو انسان کا جسم اس کو جھیلنے کے قابل نہیں رہتا۔ انسانی بدن سے کثرت سے پسینہ نکلنے کے سبب عموماً حرارت کم ہو جایا کرتی ہے۔ گرمی کی شدت اور بدن میں پانی کی کمی کی وجہ سے دماغ کا وہ حصہ جو بدن کی حرارت کو برقرار رکھتا ہے ٹھیک سے کام نہیں کرتا۔ آدمی لو کا شکار ہو جایا کرتا ہے۔ جلد خشک ہو جاتی ہے، پٹھے میں درد ہونے لگتا ہے اور انسان تشنج کا شکار ہو جاتا ہے یا بے ہوش ہو جاتا ہے۔ انسان اس طرح ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ انسان کو سخت دھوپ میں گھر سے باہر نکلنے یا تیز دھوپ میں دیر تک زیادہ کام کرنے کے سبب لو لگ جاتی ہے۔

جب کسی آدمی کو لو لگ جائے تو اس کو فوراً ٹھنڈی جگہ میں رکھ کر اس کا علاج کرنا بہتر ہے۔ لو کے مریض کے جسم کو ٹھنڈے پانی سے پونچھا جائے تو اس کو سکون ملتا ہے۔ لیمو کا شربت، دہی، کچے ناریل کا پانی وغیرہ بھی لو کے مریض کے لیے مفید ہے۔ اس پر بھی اگر مریض کی طبیعت ٹھیک نہ ہو تو اسے ہسپتال میں فوراً داخل کر دیا جائے۔ اگر ضرورت پڑے تو سلائین وغیرہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ علاج کے وقت مریض کے جسم پر کپڑے وغیرہ ہلکے اور ڈھیلے ہوں تو بہتر ہے، ورنہ کپڑے اتار دیے جائیں۔ اگر جسم بہت زیادہ گرم ہو تو سر کو ٹھنڈے پانی سے دھویا جائے یا بھیگا کپڑا سر میں رکھا جائے۔ اگر ضرورت ہو تو سر پر برف بھی رکھی جائے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جسم کی حرارت کم ہو جانے کے سبب کپکپی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے مریض کے جسم پر کمبل یا دبیز چادر اوڑھا دیا جائے اور تلوے میں گرم پانی کی بوتل رکھی جائے۔ گرم پانی میں تو لیہ تر کرکے بار بار ایسے مریض کے جسم کو پونچھا جائے تو اس سے اس کو راحت ملتی ہے۔ لو کا مریض اکثر پٹھوں اور جوڑوں میں درد اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ایسے مواقع پر مریض کو لیمو، نمک اور چینی کا شربت پلایا جائے۔ ڈاکٹروں کا مشورہ لینا ضروری ہے اور ایسے مریض کو شراب یا نشہ آور چیزوں سے پرہیز لازمی ہے۔

لو کا شکار نہ ہونے کے لیے لازمی ہے کہ ہلکے کپڑے پہن کر تیز دھوپ میں نکلنا، سر پر سفید پگڑی یا بھیگا تولیہ یا ہلمیٹ وغیرہ رکھنا، یعنی سر، کان اور ناک کا ڈھکا رہنا، سیاہ چشمہ اور سفید چھتری استعمال کرنا۔ اس کے علاوہ جوتا پہننا اشد ضروری ہے۔ اگر تیز دھوپ میں گھر سے نکلنا پڑے تو، خوب ٹھنڈا پانی پی کر پیٹ بھر کھانا کھا کر نکلنا چاہئے۔ بلکہ ٹھنڈے پانی کی بوتل بھی ساتھ میں رکھنا ضروری ہے۔ چھوٹے بچوں اور عمر رسیدہ موٹے آدمیوں کو خاص طور پر ہوشیار رہنا چاہئے۔ تیز دھوپ سے احتیاط ضروری ہے۔ مویشی اور پرندے بھی لو کے شکار ہوا کرتے ہیں۔ ان کے لیے بھی راستوں میں پانی سے بھرا ہوا حوض رکھنا چاہیئے۔ لو سے بچنے کے لیے فضا کی گرمی کو کم کرنا چاہیے۔ اس کے لیے جگہ جگہ درخت لگائے جائیں۔ کارخانوں سے نکلنے والے گرم اور زہریلے گیس سے فضا کی آلودگی کو دور کرنا بھی ضروری ہے۔ خاص کر فضا کو آلودہ کرنے والے زہریلے گیس اور مسموم ہوا کے برے اثرات کے بارے میں لوگوں کی جانکاری بھی ضروری ہے۔ اسکول اور کالج میں لو کے مضر اثرات کے سلسلے میں طلبہ کو جانکاری دینا ضروری ہے۔ بلکہ ہر آدمی کے لیے لو سے بچنے کے احتیاط اور اس کے علاج کے پہلو پر بھر پور معلومات حاصل کرنا بھی لازمی ہے۔

پیارے بچو! تم نے لو کے بارے میں پڑھا۔ اور اس سے بچنے کا طریقہ بھی جانا۔ خود بھی اس سے بچنا چاہیئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس سے بچانے کے لیے کوشش کرنی چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مصیبت سے ہم خود بچیں، اوروں کو بھی بچائیں۔ انسانیت کا تقاضا یہی ہے۔

پڑھیے اور سمجھیے :

حرارت	:	گرمی	تشنج	:	اینٹھن
اشد	:	نہایت شدید	مویشی	:	چوپائے جانور
فضا	:	کھلا میدان، زمین کی کشادگی			
مسموم	:	زہر ملا ہوا	مضر	:	نقصان پہنچانے والا

سوچیے اور بتائیے:

۱۔گرم ہوا کی لہر سے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں؟

۲۔ عام طور پر انسانی جسم کی حرارت کتنی ہوتی ہے اور اس کے کم جانے یا بڑھ جانے سے کیا نقصان ہوتا ہے؟

۳۔ جب کسی آدمی کو لو لگ جائے تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے ؟

۴۔لو کا مریض اپنے جسم میں کیا تکلیف محسوس کرتا ہے؟

۵۔لو سے حفاظت کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

خالی جگہوں کو پر کیجیے:

مویشی اور پرندے بھی لو کا.........ہوا کرتے ہیں۔ان کے لیے بھی راستوں میں پانی سے بھرا ہوا .....رکھنا چاہیئے ۔لو سے بچنے کے لیے ......کی گرمی کو کم کرنا چاہیے۔اس کے لیے جگہ جگہ.........لگائے جائیں۔کارخانوں سے نکلنے والے گرم اور.....گیس سے فضا کی آلودگی کو دور کرنا بھی ضروری ہے۔

دور اندیشی

مناظر عاشق ہرگانوی

ایک نواب صاحب تھے۔ ان کی اپنی ریاست تھی اور وہ اپنی ریاست کے سیاہ وسفید کے مالک تھے، لیکن نواب صاحب دل کے بہت اچھے تھے۔ مزاج میں بھی دوسرے نوابوں سے ان کا کوئی میل نہ تھا۔ ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھنا ان کا معمول تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر کس و ناکس ان سے بہت خوش رہتا تھا۔

ایک دن نواب صاحب اپنے دوستوں اور چند مہمانوں کے ساتھ بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے کہ ان کا باورچی اجازت لے کر نواب صاحب کے روبرو ہوا اور سر جھکا کر بولا:

''حضور! نمک ختم ہو گیا ہے۔''

''بازار سے جا کر خود لے آؤ مگر نمک کی قیمت ادا کرنا نہ بھولنا۔'' نواب صاحب نے ہدایت کی! باورچی سر جھکا کر چلا گیا۔

جب کھانے کا وقت ہوا تو نواب صاحب نے باورچی کو بلا کر پوچھا:

''نمک کے پیسے دے کر آئے تھے؟''

''جی حضور، پوری قیمت دے کر آیا ہوں۔''

باورچی کے جانے کے بعد مہمانوں نے حیرت بھرے لہجہ میں نواب صاحب سے پوچھا۔

''اتنی چھوٹی سی بات دریافت کرنے کی آخر ضرورت کیا تھی کہ قیمت چکا کر آیا ہے یا نہیں۔ ساری ریاست آپ کی ہے۔ آپ کے لیے چیزوں کی قیمت کی ادائیگی ضروری نہیں ہے۔ پھر نمک جیسی سستی چیز کی قیمت کی ادائیگی کے لیے اصرار.....''

نواب صاحب نے بات کاٹ کر جواب دیا:

''ایک حد تک تو آپ کی بات مناسب ہے۔ لیکن اگر چھوٹی یا ہلکی چوٹ کا مناسب علاج نہ کیا جائے تو وہ ناسور بن جاتا ہے۔ ذرا سوچیئے اگر آج اپنے لیے بغیر قیمت ادا کیئے نمک جیسی سستی چیز منگواتا ہوں تو میرے ملازم لوگ قیمتی چیزیں بھی بغیر قیمت ادا کیئے میرے نام پر منگوانا شروع کر دیں گے۔ اس طرح غریب دکانداروں پر ایک طرح سے ظلم ہوگا۔ وہ ظاہراً تو کچھ نہیں کہیں گے، لیکن دل میں یقیناً ہمارے تیئں اچھے خیالات نہیں رکھیں گے۔ پھر ریاست کے ہر شعبے میں دیکھا دیکھی دھاندلی اور رشوت ستانی کی گرم بازاری ہو جائے گی۔ اسی لیے میں نے بازار میں منادی کرا دی ہے کہ محل سے تعلق رکھنے والے کسی بھی شخص کو بلا قیمت کوئی چیز نہ دی جائے، ساتھ ہی میں بھی ہدایت دیتا رہتا ہوں۔''

نواب صاحب کے یہ مہمان دوسری ریاستوں کے نواب تھے۔ان کی ریاستوں میں ایسا انتظام نہیں تھا،اس لیے انہیں بڑی حیرت ہوئی اور وہ بغلیں جھانکنے لگے۔کھانا تیار ہونے پر نواب صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ طعام گھر میں گیے۔ان کے بیٹھتے ہی کھانا لگایا جانے لگا۔کھانا لگاتے لگاتے باورچی سے اچانک قورمے کی ایک بوند کٹورے سے چھلک کر نواب صاحب کے لباس پر گر گئی۔نواب صاحب کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔وہ بولے:

"تمہیں نوابی آداب اور تمیز چھو کر نہیں آئی ہے،تمہاری اس بد احتیاطی پر تمہیں پھانسی کی سزا دی جاتی ہے" اور انہوں نے تالی بجادی۔فوراً دو فوجی افسر کمرے میں داخل ہوئے اور نواب صاحب کے اشارے پر باورچی کی طرف بڑھے لیکن ابھی وہ باورچی تک پہنچ بھی نہیں پائے تھے کہ باورچی نے قورمے کا بھرا ہوا کٹورہ اٹھایا اور نواب صاحب پر انڈیل دیا۔

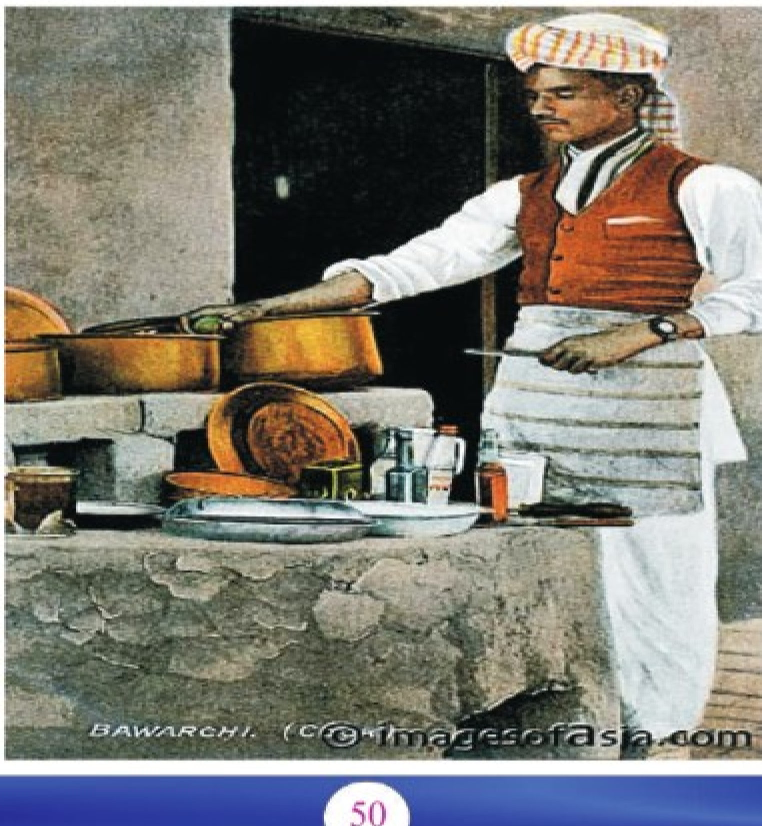

نواب صاحب ان کے دوست مہمان اور فوجی افسر سب کے سب دم بخود رہ گئے۔ باورچی کی یہ ہمت۔ نواب صاحب گرج کر بولے:

''شاید تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟''

''حضور'' باورچی نہایت ہی عاجزی سے بولا۔ ''میرا قصور معاف ہو۔ اگر میں ایک بوند شوربہ کی وجہ سے پھانسی پر چڑھ جاتا تو آپ کی نیک نامی پر داغ لگ جاتا۔ لوگ یہی کہتے کہ اتنی چھوٹی سی غلطی پر باورچی کو پھانسی کی سزا نہیں ہونی چاہیے۔ مگر اب کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کیوں کہ میں نے جان بوجھ کر آپ پر قورمہ انڈیلا ہے۔''

نواب صاحب مسکرا دیئے اور بولے:

''جاؤ تمہارا قصور معاف کیا''۔ پھر وہ اپنے حیرت زدہ مہمانوں اور دوستوں سے مخاطب ہوئے۔ ''دیکھا آپ نے، باورچی کی دوراندیشی میں میرے لئے کتنا خلوص اور کتنی محبت ہے۔''

پڑھیے اور سمجھیے:

سیاہ	:	کالا	معمول	:	رواج، دستور
اصرار	:	ضد، ہٹ	ناسور	:	وہ زخم جو ہمیشہ رستا رہتا ہے
منادی	:	ڈھنڈورا	عاجزی	:	انکساری، منت سماجت
مخاطب	:	خطاب کرنے والا، بات کرنے والا			
خلوص	:	پاک صاف، سچی دوستی			

سوچیے اور بتائیے:

۱۔ نواب صاحب کا معمول کیا تھا؟

۲۔ باورچی کس لیے نواب صاحب کے سامنے حاضر ہوا؟

۳۔ نواب صاحب نے باورچی کو بازار سے نمک لانے کے لیے کیا ہدایت دی؟

۴۔ نواب صاحب کو عوام سے کس بات کا ڈر تھا؟

۵۔ نواب صاحب نے بازار میں کس بات کی منادی کرا دی تھی؟

۶۔ باورچی کے کس جرم پر نواب صاحب نے اسے پھانسی کی سزا سنائی؟

خالی جگہوں کو پر کیجئے:

نواب صاحب کے یہ......دوسری ریاستوں کے نواب تھے۔ان کی ریاستوں میں ایسا.....نہیں تھا۔
اس لیے انہیں بڑی.....ہوئی اور وہ.....جھانکنے لگے۔

املا کو درست کر کے نیچے لکھئے:

مزاز	اجاجت	کیمت	ہجور	اکھری
....	....	....	....	....

بلند آواز سے پڑھیئے:

دم بخود ۔شوربہ۔ شعبے۔بغلیں۔رشوت

احسان کا بدلہ

مسعود علی قاسمی

احسان کا عوض احسان ہے۔ احسان کے معنی ہیں نیکی کرنا، اچھا سلوک کرنا، بھلائی کرنا وغیرہ۔ کہاوت ہے کہ نیکی کا بدلہ اچھا ملتا ہے۔ کبھی نیکی کے بدلے جان بھی بچ جاتی ہے۔ نیکی کرنے کی وجہ سے مصیبت سے بھی نجات مل جاتی ہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کا ہے۔ وہ اللہ کے برگزیدہ نبیوں میں سے ایک نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ بن باپ کے بیٹے اور حضرت مریم علیہ السلام کے لڑکے ہیں۔ جن پر انجیل نازل ہوئی تھی۔ انجیل چار آسمانی کتابوں میں سے ایک ہے۔ ان کے ماننے والوں کو عیسائی کہا جاتا ہے۔ جب قرآن کریم نازل ہوا تو انجیل کا حکم منسوخ ہوگیا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر زندہ ہیں۔ قیامت آنے سے پہلے وہ زمین پر دوبارہ آئیں گے اور قرآن کے احکامات پر عمل و تبلیغ کریں گے۔

اردن کے قریب ایک گاؤں میں ایک دھوبی رہا کرتا تھا۔ یہ دھوبی اس قدر ظالم اور بے ایمان تھا کہ گاؤں کے تمام لوگ اس سے تنگ آگیے تھے۔ جس کے کپڑے دھونے کے لیے لے جاتا تو بس آدھا ہی واپس کرتا اور وہ بھی اچھی طرح نہیں۔ اگر کوئی اس سے کپڑے طلب کرتا تو اس سے جھگڑا کرتا۔ ہمیشہ چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنا میل جول رکھتا۔ اگر کوئی ذرا سختی سے کپڑوں کا معاوضہ طلب کرتا تو وہ اپنے غنڈوں کے ذریعے اس کی پٹائی کروا دیتا اور اس کا گھر بار تباہ و برباد کروا دیتا۔ خدا کے نام کچھ دینے سے اسے اس قدر نفرت تھی کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا مسکین یا محتاج اس کے دروازے پر آجاتا تو اس کو مار پیٹ کر بھگا دیتا۔ جب لوگ اس سے بہت تنگ آگیے تو حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس اکٹھا ہو کر پہنچے اور آپ کو یہ سارا قصہ سنایا۔

حضرت عیسیٰ ؑ ان لوگوں کے ہمراہ دھوبی کے مکان پر گیے، دھوبی کو بہت سمجھایا بجھایا اور خدا کے عذاب سے ڈرایا۔ مگر مرغے کی وہی ایک ٹانگ، کہنے لگا حضرت! آپ اور آپ کا خدا! جو بگاڑنا چاہیں بگاڑ لیں۔ میں اپنی حرکت سے باز نہیں آؤں گا۔ جب وہ کسی طرح سیدھے راستے پر نہ آیا تو آپ نے باہر آکر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور اس کے حق میں موت کی دعا مانگی۔ فرشتے کے ذریعے خبر ملی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی بددعا قبول کر لی۔ حضرت عیسیٰ ؑ نے لوگوں سے کہا: اے خدا کے بندو! میری بددعا منظور ہوگئی ہے۔ اگلے دن شام تک اس بدبخت دھوبی کے گھر سے رونے کی آوازیں آنا شروع ہو جائیں گی اور وہ خدا کے حکم سے کتے کی موت مرے گا۔

دھوبی کو بھی یہ حال معلوم ہو گیا تھا۔ دوسرے دن وہ گھاٹ پر کپڑے دھونے گیا۔ پانی میں اتر کر کپڑے دھونے میں لگ گیا۔ دوپہر کے قریب اس کی بیوی اس کے لیے کھانا لے کر پہنچی۔ اتنے میں ایک خستہ حال فقیر کئی روز کا بھوکا ادھر آ نکلا۔ اس کی زبان خشک ہو کر باہر کو نکلی پڑی تھی۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں۔ صرف ایک پھٹے پرانے کپڑے سے وہ اپنے ستر کو چھپائے ہوئے تھا۔ تمام عمر میں صرف پہلی دفعہ اس دھوبی کو ایک خستہ حال مسکین پر رحم آیا۔ کپڑے کو گھاٹ پر رکھ کر وہ پانی سے باہر آیا۔ فقیر جو ایک درخت کے سائے میں لڑکھڑاتا ہوا چت لیٹ گیا تھا اور ہانپنے کانپنے لگا تھا، اس کے قریب جا کر نہایت نرمی سے پوچھا کیوں بابا! تمہیں بھوک لگی ہے؟ کھانا کھاؤ گے؟ فقیر کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں شبنم کے قطروں کی طرح آنسو ڈھلکنے لگے۔ ہلکی اور مریل آواز میں بولا ''ہاں بابا! میں کئی دن سے بھوکا ہوں''۔ دھوبی کو اس پر رحم آ گیا۔ دھوبی نے دستر خوان اس کے سامنے بچھا دیا اور توشہ دان اس کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ اس میں چار روٹیاں تھیں اور سالن تھا۔ فقیر ابھی کچھ پس و پیش میں تھا کہ دھوبی نے کہا ''بھائی جھجکتے کیوں ہو! پیٹ بھر کر کھاؤ''۔ فقیر نے کہا۔ ''آپ بھوکے رہ جائیں گے''۔ دھوبی نے کہا، ''آپ کھا لیں، آپ کا بچا ہوا میں کھا لوں گا۔''

دھوبی نے کہا، ''زیادہ اصرار نہ کرو! تمھاری جان لبوں پر آئی ہوئی ہے۔ اپنی جان پر رحم کرو۔ میں شام کو گھر جا کر کھا لوں گا۔''

فقیر بھوکا تو تھا ہی، چاروں روٹیاں چٹ کر گیا۔ دھوبی نے دہی کا پیالہ بھر کر اسے دیا۔ دہی پی کر شاد ہوا اور فقیر کے حواس کچھ ٹھکانے لگے تو دھوبی کے حق میں دعا کی ''خدایا! جس طرح اس شخص نے میری جان بچائی ہے اسی طرح اس کی آئی بلا کو ٹال تو۔'' یہ کہہ کر فقیر وہاں سے چل دیا۔ دھوبی کو اس فقیر کی بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔

دھوبی نے شام کے وقت کپڑوں کی گٹھڑی باندھی اور بیل پر لاد کر گھر کا راستہ لیا۔ ابھی اس نے گھر کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ ادھر ادھر سے لوگ اس کے مکان کے قریب جمع ہونا شروع ہو گیے۔ لوگوں کو کامل یقین تھا کہ نبی اور رسول کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ آپس میں کانا پھونسی کرنے لگے۔ کوئی کہتا بس اب کوئی دم کی کسر ہے۔ کوئی کہتا حضرت عیسیٰ ؑ کی بد دعا خالی نہیں جا سکتی۔ دیکھو! ابھی اس مغرور کو لوگوں پر اپنے غرور اور ظلم وستم ڈھانے کا انجام سامنے آ جائے گا۔

جب کافی رات گزر گئی اور دھوبی کے گھر سے کوئی رونے دھونے کی آواز نہ آئی تو اکثر لوگوں کو حضرت عیسیٰ ؑ کی پیشن گوئی پر شبہ ہونے لگا۔ جوں توں کر کے سب نے رات گزاری۔ صبح ہوتے ہی سب لوگ حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس پہنچے اور بد دعا کے نتیجے سے آگاہ کیا۔

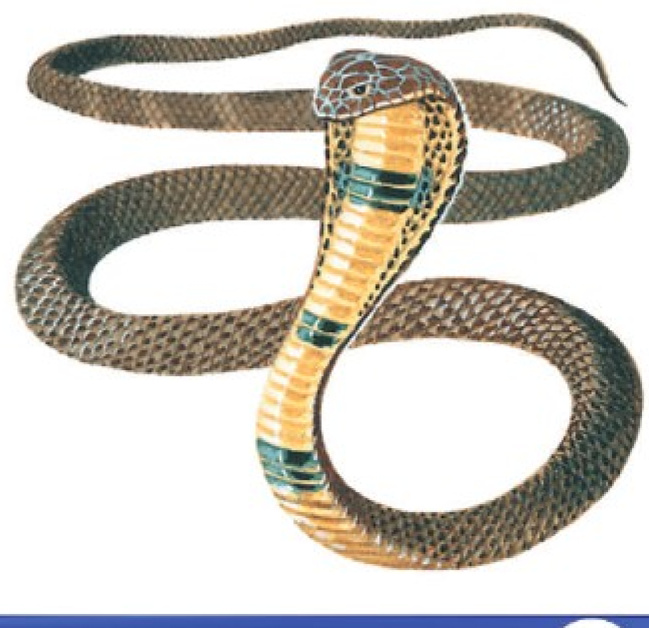

حضرت عیسیٰؑ کو بھی بڑی تشویش ہوئی۔ آخر فرشتے سے خبر ملی اور آپ لوگوں کے ہمراہ دھوبی کے مکان پر گیے۔ دھوبی نے ٹھٹھے سے کہا۔ ''حضرت فرمایئے! اب کوئی اور بد دعا میرے حق میں مانگنے آئے ہیں؟ آپ کی پہلی بد دعا تو بڑی پر اثر نکلی۔''

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا، ''میرے عزیز! میری بد دعا واقعی پر اثر تھی۔ وہ بارگاہِ خدا میں منظور و مقبول بھی ہو چکی تھی۔ اگر تجھے یقین نہیں آتا تو کل کے دھلے ہوئے کپڑوں کی گٹھڑی تو کھول کر دیکھ''۔ دھوبی نے سب لوگوں کے سامنے جب گھٹڑی کھولی تو اس میں سے بہت بڑا پھن دار مردہ سیاہ ناگ ایک کپڑے میں لپٹا ہوا پایا گیا۔ دھوبی اسے دیکھتے ہی ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب لوگوں کو بھی یقین ہو گیا کہ حضرت کی بد دعا خالی نہیں گئی۔ مگر اس پر سب کو حیرت ہوئی کہ دھوبی کی بجائے سانپ کیسے مر گیا؟ حضرت عیسیٰؑ نے دھوبی سے پہلے دن کی تمام واردات پوچھی۔ دھوبی نے فقیر کے آنے، اس کو کھانا کھلانے اور اس کی دعا دینے کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے کہا: ''میری بد دعا تو پوری ہو چکی تھی۔ یہ سانپ اسی لیے اس گٹھڑی میں حکم الٰہی سے داخل ہو چکا تھا کہ جوں ہی گھر پہنچ کر تو گٹھڑی کھولے گا سانپ ڈس کر تجھے اپنے کئے کے انجام تک پہنچا دے گا۔ مگر تیرا وہ احسان جو تو نے خدا کے ایک مسکین اور خستہ حال بندے کے ساتھ کیا! تو نے اس فقیر کو موت سے نجات دلائی۔ اللہ نے تجھ کو موت سے نجات دلا دی اور تیرے جان لیوا سانپ کو قتل کر دیا''، تمام لوگ اس واقعہ کو سن کر حیران و ششدر رہ گیے۔ کہتے ہیں '' کر بھلا ہو بھلا۔''

دھوبی پر اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ جھٹ حضرت عیسیٰؑ کے قدموں پر گر پڑا اور رو رو کر خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔

بچو! تم نے دیکھا! کہ سچے دل سے فقیر کو کھانا کھلانے کی نیکی نے فقیر کی تو جان بچا دی، ساتھ ہی دھوبی کی بھی جان بچ گئی۔ تم ہمیشہ یتیموں، مسکینوں، اپاہجوں اور خستہ حالوں مجبوروں، بے قصوروں اور بے سہارا لوگوں کے ساتھ جہاں تک ہو سکے احسان اور نیک سلوک کیا کرو۔ تاکہ خدا تمہیں ہر بلا سے محفوظ رکھے.......آمین!!!

پڑھیے اور سمجھیے:

احسان	:	نیکی	عوض	:	بدلہ
نجات	:	رہائی	منسوخ	:	رد کیا گیا
معاوضہ	:	عوض، بدلہ	مسکین	:	غریب، مفلس
محتاج	:	حاجت مند	شاد	:	خوش۔ بے غم
کامل	:	تمام، ماہر	مغرور	:	غرور والا، گھمنڈی
تشویش	:	پریشانی، بے قراری	ششدر	:	حیران، پریشان
انجیل	:	آسمانی کتاب جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی			

سوچیئے اور بتایئے:

۱۔ انجیل کس پر نازل ہوئی تھی؟

۲۔ انجیل کا حکم کب منسوخ ہو گیا؟

۳۔ گاؤں کے تمام لوگ کیوں دھوبی سے تنگ آ گیے تھے؟

۴۔ گاؤں کے لوگ کیا شکایت لے کر حضرت عیسیٰؑ کے پاس پہنچے؟

۵۔ حضرت عیسیٰؑ نے دھوبی کے حق میں کیا دعا مانگی؟

۶۔ صرف پہلی بار دھوبی کو کس پر رحم آیا؟

۷۔ فقیر نے دھوبی کے حق میں کیا دعا کی؟

۸۔ دھوبی کے کس کام نے اسے موت سے نجات دلائی؟

۹۔ جملے بنائیے:

نجات، عقیدہ، مسکین، محتاج، حواس

یاد کیجیے:

۱۔ جملے میں سب سے پہلے فاعل (کام کرنے والا) پھر مفعول اور سب سے آخر میں **فعل** کو لائیے۔

مثلاً: لڑکے فٹ بال کھیل رہے ہیں۔ اس کے الٹے میں ''فٹ بال لڑکے کھیل رہے ہیں''۔ بولنا یا لکھنا غلط ہوگا۔

۲۔ فاعل یا مفعول کی تذکیر و تانیث کا خیال رکھتے ہوئے **فعل** کو بھی اسی اعتبار سے استعمال کرنا چاہئے۔

۳۔ فاعل کام کرنے والے کو کہتے ہیں۔ جیسے: ''حامد نے کتاب پڑھی'' میں حامد ''فاعل'' ہے۔

مفعول وہ ہے جس پر کام کا اثر پڑے جیسے: محمود نے خط لکھا۔ لکھنے کا کام کرنے والا محمود ہے اور لکھنے کا اثر خط پر پڑا ہے۔ اس لئے خط مفعول ہے اور محمود فاعل ہے۔ اسی طرح اوپر کے مثال میں حامد ''فاعل'' اور ''کتاب'' مفعول ہے۔

فعل وہ کلمہ ہے جس سے کسی کام کا کرنا، یا ہونا پایا جائے۔ جیسے احمد نے لکھا۔ اس جملے میں ''لکھا'' **فعل** ہے۔

عملی کام:

دھوبی نے دستر خوان اس کے سامنے بچھا دیا۔

اوپر کے جملے میں فاعل، **فعل** اور مفعول کی نشاندہی کیجیے۔

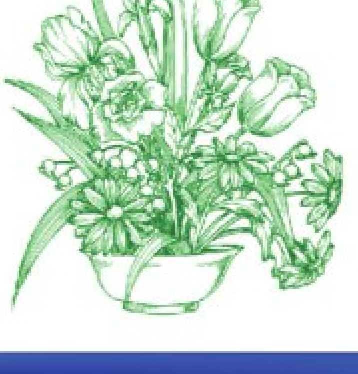

علم کی اہمیت

مطلوبہ نشاط

اچھے برے کی تمیز، نور وظلمت میں فرق اور ہدایت وگمراہی میں واضح فرق کو جاننا اور پہچاننا تعلیم کے مقاصد حسنہ میں داخل ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالٰی کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

علم روشنی ہے اور جہالت تاریکی.....

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ علمِ دین کا سیکھنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

علم حاصل کرو ماں کی گود سے لے کر قبر کی آغوش تک۔

چاہے اس کے لئے ملکِ چین تک کیوں نہ جانا پڑے۔

چنانچہ علم انسان کو انسانیت کا درس دیتا ہے،

بھلے برے کی تمیز سکھاتا ہے۔ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور حرام حلال کا فرق بتاتا ہے۔

حق وباطل کی پہچان سے آگاہ کراتا ہے۔

علم ہر تاریک مقام پر روشنی کا مینار ثابت ہوتا ہے۔

علم وہ جام ہے جس کے پیتے ہی انسان کا دل ودماغ منور ہو جاتا ہے۔

علم وہ سمندر ہے جس کی گہرائی کا کسی کو پتہ نہیں۔

علم وہ قیمتی خزانہ ہے جس کو جتنا خرچ کرو اتنا ہی بڑھتا رہتا ہے۔

علم وہ سرمایہ، وہ دولت ہے، جس کو کوئی چور چرا نہیں سکتا۔

علم ایک ایسا دریا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، اس سے سیرابی حاصل کرنے والوں کی طلب کبھی ختم نہیں ہوتی، بلکہ روز افزوں طلب بڑھتی ہی جاتی ہے۔

لہٰذا علم کا مقام بہت ہی افضل اور بہت ہی بلند و بالا ہوتا ہے۔

جن خوش نصیب حضرات نے اس گراں مایہ خزانے کو حاصل کیا ہے، انہیں علم حاصل کرنے میں راتوں کی نیندیں قربان کرنی پڑی ہیں ... بھوک کی اذیتیں ... پیاس کی کلفتیں گوارا کرنی پڑی ہیں۔

کبھی کبھی علم کی راہ میں بڑی بڑی رکاوٹیں اور دشواریاں بھی آتی ہیں جسے پوری ہمت اور حوصلہ کے ساتھ عبور کرنا پڑتا ہے۔تب یہ بیش بہا دولت ہاتھ آتی ہے۔

علم حاصل کرنے کے بعد خوش نصیب لوگ بڑے بڑے دانشور، فلاسفر، انجنیر، ڈاکٹر، آفیسر اور نامور سائنس داں بنے ہیں۔

علم کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد ان لوگوں نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جنھیں دیکھ کر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔

یہی تعلیم یافتہ لوگ ہمارے ملک وملت کے رہبر ورہنما بنے ہیں۔

ہماری حفاظت کے لیے ہمارے ملک کی سرحدوں کی نگہبانی کے لیے کیسے حیرت انگیز آلات اور ہتھیار تیار کیے گیے ہیں۔

ہماری روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی کی سہولیات کے لیے کیا کیا اشیا ایجاد کی گئی ہیں؟

آج دنیا میں جو ترقیاتی کارہائے نمایاں نظر آرہے ہیں مثلاً مہینوں میں طے ہونے والے سفر کو دنوں میں بلکہ محض چند گھنٹوں میں طے کرنا، گھر بیٹھے انٹرنیٹ اور ٹی وی کے ذریعے دنیا بھر کی خبروں سے روشناس ہونا اور دنیا کے کسی حصے سے رابطہ قائم کرنا، یہ علم کی بدولت ہی ممکن ہوسکا ہے۔

گویا کہ زندگی کے ہر شعبے میں سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔آج ساری دنیا سائنس دانوں کی عظمتوں کو سلام کرتی ہے۔

زمانۂ قدیم میں جہالت کی وجہ سے عام طور پر لوگ بہت ساری پریشانیاں اور مصیبتیں برداشت کرتے تھے اور کس قدر ذلیل و خوار ہوتے تھے، شرمندگی اور رسوائی کا سامنا کرتے تھے، مندرجہ ذیل کہانی کو پڑھ کر آپ اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کسی شہر میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ اس کا ایک اکلوتا بیٹا تھا۔ بچپن میں ہی اس کے باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ بوڑھی ماں نے محنت مشقت کر کے اس کی بہت عمدہ پرورش کی اور تعلیم کے نور سے بیٹے کو آراستہ کیا۔

بیٹا بھی ماشاءاللہ بہت ذہین تھا۔ وہ مسلسل کامیابی کا زینہ طے کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ تعلیم مکمل ہونے کے کچھ دنوں بعد اسے ایک اچھی سی نوکری پردیس میں مل گئی۔ ماں کے بوڑھاپے کا واحد سہارا اپنی ماں کو اللہ کے حوالے کر کے چلا گیا۔ اس کا یہ پختہ ارادہ بھی تھا اور اس نے یہ ماں کو بتا بھی دیا کہ پردیس میں اپنے رہن سہن کو بحال کرتے ہی ماں کو اپنے پاس بلا لے گا۔

بوڑھی ماں ہمیشہ اس کی صحت وسلامتی کے لئے بارگاہ ایزدی میں دعائیں کرتی رہتی تھی اور بیٹے کی جدائی کے غم میں آنسو بہاتی رہتی تھی۔ اسے ہمیشہ اپنے بیٹے کے خط کا انتظار رہتا تھا۔ ایک دن اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں اس کی دعا قبول ہوئی اور پوسٹ مین خط لے کر بوڑھی ماں کے پاس پہنچا۔ خط ہاتھ میں لیتے ہی بوڑھی ماں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہوگیے۔ وہ خوشی سے آب دیدہ ہو گئی۔ مگر خود انپڑھ تھی۔ اس لیے خط پڑھوانے کے لیے گھر سے نکل پڑی۔

بڑھیا کو سرِ راہ ایک شخص ملا۔ جو انگریزی لباس میں ملبوس تھا۔ آنکھوں پر چشمہ چڑھائے، ہاتھ میں خوبصورت گھڑی، لگتا تھا کہ کوئی بڑا افسر ہے۔ ماں نے بڑی بے تابی کے ساتھ اس شخص کو روکا اور ایک خوبصورت سا لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا اور بولنے لگی......

''بابو جی.....'' ''میرے لڑکے کا خط آیا ہے.....ذرا پڑھ کر مجھے سنادو''

اس شخص نے لفافہ تو کھول دیا...مگر اس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔

بوڑھی ماں گھبرا کر بولی...:

''کیا ہوا بابو جی.....بتاؤ رو کیوں رہے ہو؟'' میرے بیٹے کا کیا حال ہے....؟''

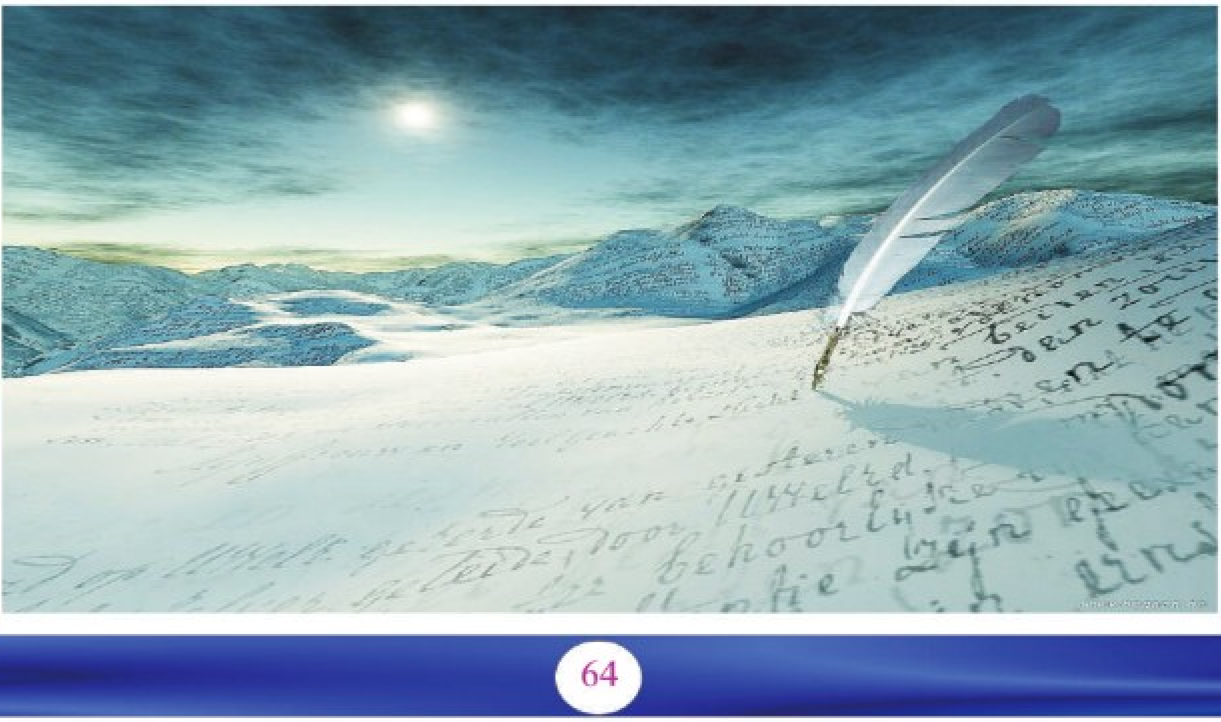

مگر وہ شخص خاموش کھڑا رہا اور زار و قطار رونے لگا۔ بڑھیا کو اندازہ ہوگیا کہ اس کے بیٹے کی کوئی بری خبر ہے۔ وہ بے قراری کے عالم مین آپے سے باہر ہوگئی۔ اس کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر دھڑام سے گری اور بے ہوش ہوگئی۔ پل جھپکتے لوگوں کی بھیڑ جمع ہوگئی اور لوگوں نے اس سے دریافت کیا'' معاملہ کیا ہے؟

تب اس شخص نے جواب دیا کہ میں ایک ان پڑھ اور جاہل آدمی ہوں۔ میرے ظاہری لباس کو دیکھ کر بوڑھیا ماں نے مجھے خط پڑھنے کی فرمائش کی۔ مجھے سخت ندامت محسوس ہوئی اور میں شرمندہ ہوکر اپنی جہالت پر آنسو بہانے لگا..... مگر بڑھیا نے یہ سمجھا کہ اس کے بیٹے کی کوئی بری خبر آئی ہے۔

اسی بھیڑ میں ایک شخص آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے خط لے کر پڑھنے لگا۔ خط میں تحریر تھا،'' پیاری امی! میں آئندہ اتوار میں آپ کو لینے کے لیے آرہا ہوں۔'' مگر بڑھیا ماں کی روح اس قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

پڑھیے اور سمجھیے:

مقاصدِ حسنہ	:	اچھے مقاصد
آغوش	:	گود
منور	:	روشن
روزافزوں	:	آئے دن زیادہ
حریص	:	لالچی
عبور کرنا	:	پار کرنا
بیش بہا	:	قیمتی
روشناس ہونا	:	باخبر ہونا
ذلیل وخوار ہونا	:	شرمندہ ہونا
سایہ سر سے اٹھ جانا	:	سرپرست کا مرجانا
آراستہ کرنا	:	سجانا
ماشاءاللہ	:	جو خدا چاہے
بارگاہِ ایزدی	:	خدا کی بارگاہ
آبدیدہ ہونا	:	غمگین ہونا
اشکبار ہونا	:	آنسو بہانا
زاروقطار رونا	:	بہت رونا
صبر کا پیمانہ چھلکنا	:	برداشت سے باہر
پلک جھپکنا	:	آنکھ جھپکنا
قفسِ عنصری	:	خاکی جسم
آپے سے باہر ہونا	:	بےخود ہو جانا

سوچیے اور بتائیے

۱۔ تعلیم حاصل کرنے کے نیک مقاصد کیا ہیں؟

۲۔ پیارے رسولؐ نے علم کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

۳۔ علم حاصل کرتے وقت کن باتوں پر دھیان رکھنا ضروری ہے؟

۴۔ مضمون نگار نے کن لوگوں کو خوش نصیب کہا ہے؟

۵۔ بڑھیا زاروقطار کیوں رونے لگی؟

۶۔ بڑھیا کے بیٹے نے اپنے خط میں کیا پیام بھیجا تھا؟

ذیل میں دیے گیے الفاظ میں سے جو واحد ہوں ان کی جمع اور جو جمع ہوں ان کے واحد کیجیے:

مقاصد۔ سہولت۔ ضرورت۔ عظمتوں۔ شے۔ کارہا۔ علوم۔ پریشانی

ذیل میں دیے گیے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

روشناس ہونا۔ ذلیل وخوار ہونا۔ آبدیدہ ہونا۔ اشکبار ہونا۔ زاروقطار رونا۔ صبر کا پیمانہ چھلکنا۔ پلک جھپکنا۔ آپے سے باہر ہونا۔ روح پرواز کرنا۔ سایہ سر سے اٹھ جانا۔ آراستہ کرنا۔

BCB7XV

اُتکل دِوس

محمد مطیع اللہ نازش

اڈیشا ہندوستان کا وہ صوبہ ہے جہاں کے زیادہ تر لوگ اڑیا زبان بولتے ہیں۔اڈیشا کا پرانا نام ''کلِنگا'' اور ''اُتکل'' ہے۔ یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو اڈیشا ایک مستقل صوبہ کے طور پر برطانوی حکمرانوں کے ذریعہ منظور ہوا۔اڈیشا کی تاریخ میں یہ دن ایک یادگار دن ہے۔ ہر سال پورے اڈیشا میں یکم اپریل کو ''اُتکل دِوس'' کے طور پر دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

اُتکل کا نام قابل فخر اس لیے ہے کہ ہندوستان کی پرانی مذہبی کتابوں میں اُتکل کا ذکر آیا ہے۔مہابھارت میں بیان کیا گیا ہے کہ کلنگا کے لوگ بڑے ہی ہمت والے، بہادر اور نڈر تھے۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ایک زمانے میں گنگا سے لے کر گوداوری تک اڈیشا کی سرحدیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی لیے بہادری، شجاعت، تہذیب و ثقافت اور سفارت و تجارت کے میدان میں اتکل کے باشندوں کے کارنامے ہندوؤں کی پرانی مذہبی کتابوں میں لکھے گیے ہیں۔

اڈیشا پر باہر سے آئے حکمرانوں کا قبضہ زمانہ دراز تک رہا۔افغانوں، مغلوں، مرہٹوں اور انگریزوں کے حملوں کی وجہ سے اڈیشا اپنی الگ تھلگ پہچان کھو بیٹھا تھا۔اس دوران اڈیشا کے باشندوں کو اکثر ظلم کا شکار ہونا پڑا ہے۔انگریزوں کی سیاسی پالیسی کے نتیجے میں اڈیشا پردیش کی اپنی خصوصیت، یکسر ختم ہو کر رہ گئی ۔ کیوں کہ برطانوی حکومت کی شاطرانہ پالیسی یہ تھی کہ جو کمزور ہوں انھیں دباؤ، جو طاقتور ہوں ان سے ہاتھ ملاؤ۔ دو اقوام اور دو پردیش کے لوگوں کے درمیان بھید بھاؤ پیدا کرو، لڑاؤ اور راج کرو، یہی وجہ تھی کہ انگریزوں نے اڈیشا کے کافی لمبے چوڑے علاقے، قصبات اور شہروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف آس پاس کے صوبہ جات میں شامل کر دیا۔ جو اڈیشا کے باشندوں کے ساتھ بڑی ناانصافی اور ظلم ہے۔ہم اڈیشا والوں کے تغافل، کاہلی، یکجہتی اور دوراندیشی کی کمی کے سبب ہمیں یہ دن دیکھنا پڑا۔ان ہی باتوں کو ۱۹۰۷ء میں لندن میں مدھوسدن داس نے برطانوی پارلیامنٹ کے ممبروں اور ہندوستان کے سکریٹری جنرل کے سامنے مربوط، مدلل ٹھوس اور وضاحت سے رکھی تھیں ۔جب کہیں انہیں اڈیشا کے حالات کا صحیح علم ہوا۔

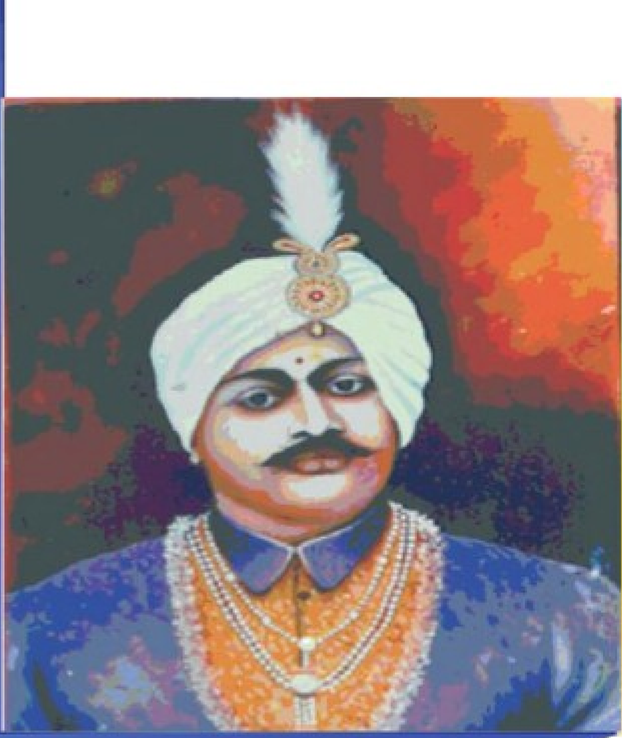

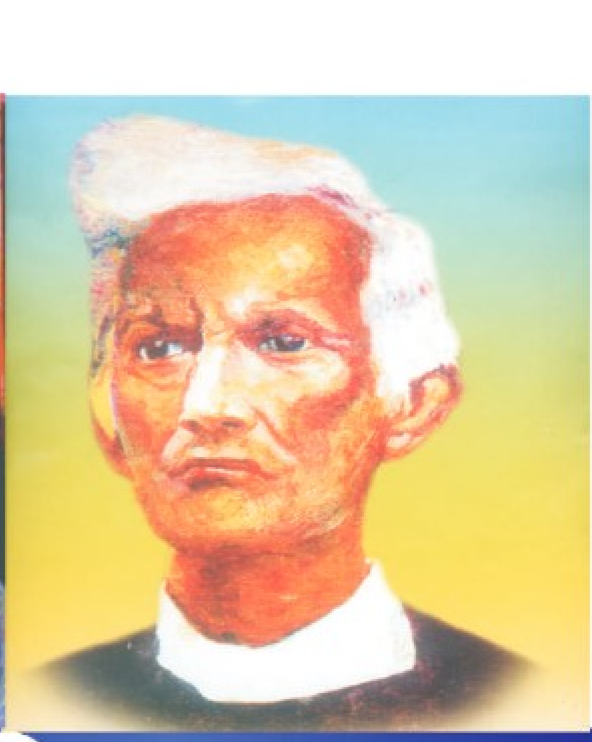

فخرِ اڈیشا مدھوسدن داس نے اتکل سمیلن قائم کر کے اڈیشا کے لوگوں کو ایک محاذ پر اکٹھا کیا۔ مستقل اڈیشا قیام کی جدوجہد شروع کی ۔ اس سمیلن کے ذریعے مستقل اڈیشا پردیش قیام کی تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک میں اڈیشا کی عظیم ہستیوں نے شرکت کرنی شروع کی ۔ ان میں قابل ذکر ہستیوں کے نام یہ ہیں: کرشن چندر گج پتی ، ہری ہر مردراج ، رام چندر مردراج ، بیکنٹھ ناتھ دے ، چندر شیکھر بہرا ، گوری شنکر رائے ، فقیر موہن سیناپتی ۔ پنڈت گودابرش مشرا ، ہرے کرشن مہتاب اور جگ بندھو سنگھ وغیرہ۔ ان کے علاوہ دیگر بہت سے حضرات نے بھی اپنے جان و مال کی بے حد قربانیاں دی ہیں۔ اڈیشا پردیش کے قیام میں ان کے کردار کو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔

اُتکل دِوس اڈیشا کے لوگوں کے لیے ایک یادگار اور فخر کا دن ہے۔ اڈیشا سرکار نے بھی اپریل کی پہلی تاریخ کو چھٹی کا دن قرار دیا ہے۔ اس دن سرکاری اور غیر سرکاری اداروں اور عوام کے ذریعہ جلسے جلوس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ آزاد اڈیشا کی تشکیل میں جن لوگوں نے قربانیاں دی ہیں ان کو یاد کیا جاتا ہے۔ اڈیشا کے تمام اسکولوں ، کالجوں اور مدرسوں میں بھی اُتکل دِوس کا جلسہ بڑے اہتمام سے منعقد کیا جاتا ہے۔ سرکاری طور پر اڈیشا کی راجدھانی بھوبنیشور میں شاندار طریقے سے اُتکل دِوس کا جشن منایا جاتا ہے۔

اُتکل دِوس اڈیشا کے ہر ایک باشندے کے لیے احساس خودداری اور خوشی کا دن ہے۔ اتکل دِوس کا دن اڈیشا کی ترقی کے لیے عہد و پیمان کا ہمیں تلقین کرتا ہے۔ مگر ابھی بھی پورے طور پر مکمل اڈیشا پردیش کا قیام عمل میں نہیں آیا ہے۔ اڑیا بولنے والوں کا بہت سارا علاقہ پڑوسی صوبوں میں شامل ہے اور برابر اس بات کی کوشش جاری ہے کہ قدیم اڈیشا کے وہ علاقے صوبۂ اڈیشا کے ساتھ ضم کر دیے جائیں۔ ''شرئی کلا، کھرسوان'' کو اڈیشا میں شامل کرنے کی جدوجہد ابھی بھی جاری ہے۔ ہم اڈیشا والوں کے لیے یہ ایک زبردست چنوتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک آواز، ایک دل و جان ہو کر ان پچھڑے علاقوں کو اڈیشا میں شامل کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

بچو! تم نے اُتکل دِوس کے بارے میں پڑھا اور اس کی اہمیت سے واقفیت حاصل کی۔ ترقی یافتہ مضبوط اڈیشا اور خوش حال اڈیشا کی جدوجہد جاری رکھنا اور آئندہ دنوں میں اس کو ہندوستان کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ صوبہ بنانے کا عہد کرنا۔

پڑھیے اور سمجھیے:

مستقل	:	مضبوط، اٹل	عظیم	:	بڑا، بزرگ
شجاعت	:	بہادری، دلیری	عہدو پیمان	:	اقرار، قول وقرار
ثقافت	:	تہذیب، کلچر	سفارت	:	سفیر کا عہدہ
شاطرانہ	:	چالاکی	کاہلی	:	سستی
تغافل	:	جان بوجھ کر غفلت کرنا	مربوط	:	بندھا ہوا، وابستہ
مدلل	:	معقول۔ٹھیک، درست، دلیل سے ثابت کیا ہوا			
وضاحت	:	واضح کرنا، تشریح کرنا			
محاذ	:	لڑائی کی جگہ، سامنے، مقابل			
جدوجہد	:	کوشش، دوڑ دھوپ			
تحریک	:	ہلانا، حرکت جنبش			

سوچیے اور بتائیے:

۱۔اڈیشا کا پرانا نام کیا ہے؟

۲۔اڈیشا کب ایک مستقل صوبہ بنا؟

۳۔کلِنگا کے لوگ کیسے تھے؟

۴۔ پرانے زمانے میں اڈیشا کی سرحدیں کہاں تک پھیلی ہوئی تھی؟

۵۔برطانوی حکومت کی شاطرانہ پالیسی کیا تھی؟

۶۔''اُتکل سمیلن'' کس نے قائم کی؟

۷۔اُتکل دِوس اڈیشا کے باشندوں کے لیے کیا پیغام دیتا ہے؟

جملے بنایئے:

قبضہ۔ مطالعہ۔ تہذیب۔ تحریک۔ واقفیت

''اُتکل دِوس'' پر دس جملوں میں ایک مضمون لکھئے۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:

''اُتکل دِوس'' ...... کے لوگوں کے لیے ایک ...... اور ... کا دن ہے۔ اڈیشا سرکار نے بھی ...... کی پہلی تاریخ کو ..... کا دن قرار دیا ہے۔

یاد کیجیے:

لفظ: جو آواز زباں سے نکلتی ہے اسے لفظ کہتے ہیں۔

جملہ: پوری بات کو کہتے ہیں اور یہ لفظوں کے میل سے بنتا ہے۔

جیسے: تم پڑھو۔ خدا ایک ہے۔۔ اس سبق میں سے دو جملے لکھیے۔

معنی دار الفاظ کو موضوع اور کلمہ بھی کہتے ہیں اور بے معنی ''لفظ'' کو مہمل کہتے ہیں جیسے کرسی ورسی۔ چاند وانڈ۔ میز ویز۔ اس میں کرسی، چاند اور میز موضوع ہیں۔ ورسی۔ واند۔ اور ویز مہمل ہیں۔

حضرت رابعہ بصری

سید عطا محی الدین

BCK3ZI

اللہ کی معرفت اور اس کا قرب جس طرح مردوں نے حاصل کیا اور درجۂ ولایت سے سرفراز ہوئے اسی طرح عورتوں نے بھی اپنی نیک سیرت، پاک طینت، صبر وقناعت، عبادت و ریاضت سے اللہ کا قرب حاصل کیا۔ایسی بابرکت خواتین میں حضرت رابعہ بصری کا نام ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔آپ اللہ کی نیک بندی، عارفہ اور زاہدہ تھیں۔آپ کی زندگی ہمارے لئے مشعلِ راہ اور نمونۂ حیات تھی۔

پنج وقتہ نماز کے علاوہ نوافل کی کثرت آپ کی عادتِ کریمہ تھی۔آپ قرآن پاک تلاوت فرماتیں اور تسبیح وتحلیل میں آپ کے اوقات گذرتے تھے۔آپ کی عبادت کی ایک خاصیت تھی کہ آپ کا ہر عمل خالص رضاء الٰہی کے لیے ہوتا تھا۔اور ریا کاری سے پاک تھا۔آپ کی عبادت میں نہ عذابِ نار کا خوف ہوتا اور نہ جنت حاصل کرنے کا حرص۔ بلکہ صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خود کو عبادت و ریاضت میں مشغول رکھتی تھیں۔

ایک بار آپ ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے ہاتھ میں پانی لے کر دوڑنے لگیں۔آپ کے اس انوکھے انداز کو دیکھ کر حضرت ابراھیم بن ادھم نے پوچھا،''اے رابعہ! تم یہ آگ اور پانی لے کر کہاں جارہی ہو؟''

حضرت رابعہ بصری نے جواب دیا: ''میں اس آگ سے جنت کو جلانے اور پانی سے دوزخ کو بجھانے جا رہی ہوں۔ تا کہ کوئی میرے پرودگار کی عبادت جنت کے لالچ میں اور دوزخ کے خوف سے نہ کرے۔ بلکہ اگر عبادت کرنی ہے تو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرے۔''

حضرت رابعہ بصری کو روزہ رکھنا بے حد پسند تھا۔ آپ جانتی تھیں کہ روزہ سے خدا خوش ہوتا ہے۔ آپ رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ عاشورہ، معراج، شبِ برات اور دیگر دنوں میں بھی نفل روزے رکھتی تھیں۔

ایک بار آپ نے سات دن تک صرف پانی ہی سے روزہ افطار کیا۔ گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ افطار کا وقت جب قریب آ گیا تو آپ پر بھوک کا غلبہ ہوا۔ نفس نے آپ سے کہا: ''رابعہ! آخر کب تک مجھے تکلیف دیتی رہو گی؟'' ابھی آپ کے دل میں یہ خیال گزر رہی تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز آئی۔ آپ نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک نیاز مند کھانا ہاتھ میں لیے کھڑا ہے۔ آپ نے اسے قبول فرما لیا اور نفس سے کہا کہ ''میں نے تیری فریاد سن لی ہے۔ کوشش کرونگی کہ تجھے مزید اذیت نہ پہنچے۔'' یہ کہہ کر آپ نے کھانا فرش پر رکھ دیا۔ اور چراغ جلانے کے لیے اندر تشریف لے گئیں۔ واپسی پر دیکھا کہ ایک بلی نے برتن الٹ دیا تھا اور زمین پر گرا ہوا کھانا کھا رہی تھی۔ حضرت رابعہ بصری بلی کو دیکھ کر مسکرانے لگیں اور بولیں۔ ''اے بلی! شاید یہ کھانا تیرے لیے بھیجا گیا تھا۔ اطمینان سے کھا لے۔''

اب آپ نے سوچا کہ پانی ہی سے افطار کر لیا جائے۔ اتنے میں ہوا کا تیز جھونکا آیا۔ چراغ بجھ گیا۔ آپ آگے بڑھیں۔ اتفاق سے پانی کا برتن بھی زمین پر گر کر ٹوٹ گیا اور سارا پانی بہہ گیا۔ عجیب ماجرا تھا۔ بے اختیار آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ''الٰہی! یہ کیا راز ہے؟ میں گنہ گار نہیں جانتی کہ تیری رضا کیا ہے؟''

جواب میں غیب سے آواز آئی۔ ''اے میری محبت کا دم بھرنے والی! اگر تو چاہتی ہے کہ تیرے لیے دنیا کی نعمتیں وقف کروں تو پھر میں تیرے دل سے اپنا غم واپس لے لوں گا۔ کیونکہ میرا غم اور دنیا کی نعمتیں یہ دو چیزیں ایک ہی دل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اے رابعہ! تیری بھی ایک مراد ہے اور میری بھی ایک مراد ہے۔ تو ہی بتا کہ دونوں مرادیں ایک جگہ کیسے رہ سکتی ہیں؟''

حضرت رابعہ بصری فرماتی ہیں ''جب میں نے یہ آواز سنی تو دنیا سے ہمیشہ کے لیے منہ موڑ لیا اور ساری امیدیں ساری خواہشیں ترک کر دیں۔ اس کے بعد میں نے ہر نماز کو آخری سمجھا۔

سوچیے اور بتائیے:

۱۔عورتوں نے کس طرح اللہ کا قرب حاصل کیا؟

۲۔حضرت رابعہ بصری کی عبادت کی خصوصیت کیا تھی؟

۳۔حضرت ابراھیم بن ادھم نے حضرت رابعہ بصری سے کیا پوچھا؟

۴۔حضرت رابعہ بصری کا معمول کیا تھا؟

۵۔حضرت رابعہ بصری کے لئے غیب سے کیا آواز آئی اور ان کی کیا کیفیت ہوئی؟

پڑھیے اور سمجھیے:

قرب	:	نزدیکی	ریاضت	:	نفس کشی
معرفت	:	پہچان	تسبیح و تحلیل	:	اللہ اللہ کہنا
حرص	:	لالچ	رضا	:	خوشنودی

معراج :رسول اللہ ﷺ کا آسمانوں سے اوپر جانا اور تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرنا۔ بلند مرتبہ

یاد رکھیے:

فعل کی چھے قسمیں ہیں۔ مثلاً: (i) ماضی (ii) حال (iii) مستقبل (iv) مضارع (v) امر (vi) نہی

ماضی وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا ہونا یا کرنا گزرے ہوئے زمانے میں پایا جائے۔

جیسے: وہ گیا۔ ہم نے سنا۔

حال وہ فعل ہے جس سے کام کا ہونا یا کرنا موجودہ زمانے میں پایا جائے۔

جیسے: وہ جاتا ہے۔ تم سن رہے ہو۔

مستقبل وہ فعل ہے جس سے کام کا ہونا، یا کرنا آنے والے زمانے میں پایا جائے۔

جیسے: وہ جائے گا۔ تم سنو گے۔

مضارع وہ فعل ہے جس میں حال اور مستقبل دونوں زمانے پائے جائیں۔

جیسے: وہ جائے۔

امر وہ فعل ہے جس سے کسی کام کے کرنے کا حکم پایا جائے۔

جیسے: جا، کھا، پی۔

نہی وہ فعل ہے جس سے کسی کام کے نہ کرنے کا حکم پایا جائے۔

جیسے: نہ جا۔ نہ کھا۔